Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

○ زیرِ نگرانی:

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، بی کام۔

ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری ادیب فاضل (مدراس)، نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ

حضرت مکان ۔ ویلور

☆

○ زیرِ ادارت:

حضرت مولانا مولوی پی محمد ابوبکر ملیباری لطیفی قادری قمری، مدرس دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے، پی ایچ ڈی، مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

☆

○ نمائندگان طلباء:

مولوی حافظ محمد فیاض	نرپاتور
حافظ محمد تبریز	آمبور
حافظ اکبر شریف	ارکونم
حافظ مظفر بیگ	گڑیاتم
حافظ محمد عقیل احمد	حیدرآباد
حافظ رحمت اللہ	بنگلور
ای۔ایم۔سلیمان	اینگری
اے۔کے۔موسیٰ کنجی	آنئی کال

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۲۶ھ م 2005ء

مناجات

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا رکن الدین شاہ سیدہ ابوالحسن قربیؒ علیہ الرحمہ
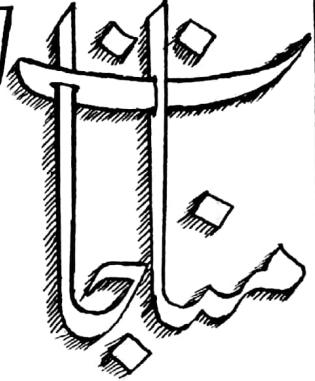
حضرت قربیؒ علیہ الرحمہ کے دیوان سے مناجات ہدیۂ ناظرین ہے ۔مناجات کے معنی ہیں کان میں بات کہنا، سرگوشی کرنا ۔مجازاً خدا کے حضور اور اس کی جناب میں دعا کرنا اس طور پر کہ اس کو حاضر جان کر جس طرح باتیں کرتے ہیں حضرت قربیؒ اپنی مناجات میں نعتِ نبیؐ کا عنصر بھی شامل کرلیا ہے اور ذاتِ رسالت مآب سے بھی سرگوشی کی سعادت حاصل کی ہے کہ آپؐ کی ذات شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ ہے اور آپ کی شخصیت سارے انسانوں کے لیے ہادی اور رہبر ہے۔

حضرت قربی اپنی تواضع اور عجز کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ اے خدا میں تو تیرا ہی بندہ ہوں خواہ وہ پاک ہے یا ناپاک تیرے ہی آستاں کی خاک ہوں ۔تو اپنے کرم سے اس خاک کو عرش سے برتر کردے اے خدا کے رسولؐ آپؐ پر تو سارے احوال و کوائف واضح اور منکشف ہی ہیں ۔کیا عرض کروں ۔ اپنی مناجات کو والسلام ہی پر ختم کئے دیتا ہوں ۔

یا رسول اللہ یا ہادی الوریٰ! ۔۔۔ تو نچہ ہے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
ذرہ ذرہ ہو کو توں ظاہر سوا ۔۔۔ اپنے پیدائی کو توں ساتر ہوا
حق کیا خورشید وحدت کا تجے ۔۔۔ اس سورج کا ایک ذرہ کر مجے
دل کو دے تیرے پرم کی چاشنی ۔۔۔ پانوں تیرے ذات سوں نت روشنی
میں بی پیاسا ہوں مجے پانی پلا ۔۔۔ چشمۂ وحدت سوں لے بحرِ عطا
حق کوں حق سے دیکھتے حق ہوں اچھیں ۔۔۔ حق کو مطلق دیک مطلق ہو اچھیں
بندہ قربیؔ آستاں کا خاک ہے ۔۔۔ ہے تیرا کیا پاک وکیا ناپاک ہے
کر کرم سوں پاک اس ناپاک کوں ۔۔۔ عرش سوں برتر توں کر اس خاک کوں

یا رسولؐ اللہ احوال تمام
تجپہ ظاہر ہے کہوں کیا والسلام

پیش کش: مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری عرف ہلال پاشاہ
نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

رُباعیاتِ امجد

آغوشِ محبت

دو دِل اک ہوں۔ تو نخلِ جاں پھیلتا ہے
دِل گود میں حسن و عشق کی پلتا ہے
سچ یہ ہے کہ برقی روشنی کے مانند
دو تار سے زیست کا دیا جلتا ہے

سُبحان ربیّ الاعلیٰ

زنجیرِ درِ عرش ہلاتا ہوں میں
اللہ غنی کسے بُلاتا ہوں میں
سجدہ کے بہانے دل کی بیتابی سے
قدموں پہ کسی کے لوٹ جاتا ہوں میں

اَلدّاءُ ھُوَالدّوَاءُ

دلبر دِلِ مضطر میں نظر آئے گا
یہ زخمِ جگر رنگ کبھی لائے گا
ممکن ہے کہ درد ہی دوا ہو جائے
دِل خون تو ہو مشک بھی ہو جائے گا

مسابقتِ صفات

گیسو میں ہے بل کہ میرے خم کو دیکھو
رُخ ہنستا ہے کہ اس ستم کو دیکھو
اظہارِ کمال میں ہر اک کا بل ہے
سب کی یہ خواہش ہے کہ ہم کو دیکھو

نعت ، عربی زبان کا معروف لفظ جس کا معنی ہے مدح ، ثنا ، تعریف اور توصیف ۔ شاعری کی دنیا میں وہ صنف ہے جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح اور توصیف بیان کی جاتی ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت اور توصیف کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر آپؐ کے شمائل و فضائل ، خصائص و خصائل اور احوال و کوائف وغیرہ ساری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں ۔ آپؐ کی سیرت و شخصیت کا ذکر و بیان کلام موزوں کے ذریعہ ہو یا کلام غیر موزوں کے ذریعہ ، یہ سب نعت ہی ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و تعریف کے باب میں اس واقعہ کو نعت کی ابتداء کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا ۔ ایک حدیث میں ہے : جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کی ۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ سے پوچھا : اے آدم ! تم نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا ؟ حالاں کہ وہ ابھی پیدا نہیں کئے گئے ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا : اے اللہ ! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور اس وقت میری نگاہیں تیرے عرش پر مرکوز ہوگئیں جس پر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا تھا ۔ میں نے دل میں خیال کیا تو اپنے نام کے ساتھ کسی کا نام ملاے رکھا ہے تو یقیناً وہ تیرے نزدیک ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب اور مقبول ہے ۔ اس پر اللہ نے کہا : اے آدم ! محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری اولاد میں ہوں گے اور اُن پر نبوت مکمل ہوگی ۔ اگر یہ پیدا نہیں کئے جاتے تو تمہیں بھی پیدا نہیں کیا جاتا ۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا ، اگر آپؐ نہ ہوتے تو اس کائنات کی تخلیق بھی نہ ہوتی ، لولاک لما خلقت الافلاک ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آسمانوں میں احمدؐ اور زمین پر محمدؐ کے نام سے معروف ہوئے اور ان دو ناموں کے اندر تعریف و توصیف کا پہلو موجود ہے ۔ بقول سلیمان منصور پوری :

لفظ محمدؐ حمد سے اسم مفعول ہے ۔ مضاعف سے مبالغہ کے لیے ہے اور احمدؐ بھی حمد سے واقع علی المفعول ہے ۔ اسم محمدؐ سے حمد کی کثرت و کمیت اور اسم احمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے ۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہٗ کا شعر ہے : ؎

وشق لہ من اسمہ لیجلہ ۔۔۔۔ فذوالعرش محمود وھذا محمدؐ

خدا نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ۔ دیکھو رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرت محمدؐ ہیں

محشر بدایونی کا ایک شعر ہے : ؎

سمجھیں تو یہ اک لفظ بھی کیا نعت سے کم ہے ۔۔۔۔ خود نام محمدؐ ہی محمدؐ کی ثنا ہے

غرض حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور اُن سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا، پھر بنو آدمؑ کی ہدایت و رہبری کے لیے پیغمبروں کی بعثت ہونے لگی ۔ امام طبرانی کی روایت کے مطابق دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث ہوئے ۔ جن کے قدم سے آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے نزول کا سلسلہ چل پڑا جو چار بڑی کتابوں اور تقریباً سو صحیفوں پر ختم ہوا ۔ اس طویل عرصہ میں رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ نعت کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہا ۔ یہاں تک کہ جب یہود و نصاریٰ کا دور آیا تو اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت سے اچھی طرح واقف تھے ۔ چناں چہ اس باب میں ان کے علم و آگہی کے بارے میں قرآن کریم **کا بیان** ہے کہ اہل کتاب نبی کریمؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں ۔ **الذین اٰتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم ۝ (البقرہ)**

علامہ جلال الدین سیوطی "تفسیر جلالین" میں لکھتے ہیں :

اہل کتاب کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم و آگہی ان کی مذہبی کتابوں کے ذریعہ حاصل ہوی ۔ جن میں آنحضرت صلعم کی نعت بیان کی گئی ہے : **بنعتہ فی کتبھم ۔**

عبداللہؓ بن سلام جو اولاً یہودی تھے ۔ ان کا بیان ہے : **لقد عرفتہ حین رأیتہ کما أعرف ابنی ومعرفتی لمحمدؐ اشد**

جب میں نے نبی کریمؐ کو دیکھا تو ایسے پہچان لیا جیسے اپنے بچہ کو ۔ میری پہچان نبی کریمؐ کے معاملہ میں بڑی مضبوط رہی ۔

اہلِ کتاب کے علما و فضلا ہی نہیں بلکہ ان کے عوام بھی نبیٔ کریم صلعم کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ یہودی جب بھی کفار و مشرکین سے برسرِ پیکار ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے تھے : اللّٰھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث آخر الزماں اے اللہ! نبیٔ مبعوث آخر الزماں کے طفیل سے ہمیں ان دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرما۔ قرآنِ کریم نے یہودیوں کے اس طرزِ عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ (البقرہ)

غرض آسمانی کتابوں کے ذریعہ نبیٔ کریم کے جو اوصاف و محامد اور پیش گوئیاں بیان کی گئیں ہیں۔ یہ سب نعتِ نبی صلعم ہی کا ایک رخ ہے۔ اسی نعت کا مفصل و مکمل اور اعلیٰ نمونہ آخری اور دائمی صحیفۂ سماوی قرآن کریم کے ذریعہ دُنیا والوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

مولانا مفتی احمد یار خان اپنی کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن" میں رقمطراز ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآنِ حکیم کو بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو اس میں اول سے آخر تک نعتِ سرکار کائنات معلوم ہوتی ہے۔ حمد الٰہی ہو یا بیان عقائد، گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی اُمتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآن حکیم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔"[۵]

نعت گوئی سنّتِ رحمٰن ہے — جس پہ شاہد آپ خود قرآن ہے

کوئی سمجھے تو قرآں کی آیتیں — بدر یہ سارا قرآں ہی نعت ہے

نعت کا حق اور کس سے ہو ادا — کر چکا نعت نبیؐ، ربِّ نبیؐ

نعت نے شعر کا لبادہ اس وقت اوڑھ لیا جب کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم رنگ و بو میں جلوہ نما ہوئے۔ یہ شاعری کا دور تھا اور شعر گوئی اہلِ عرب کے مزاج اور فطرت میں رچ بس گئی تھی۔ گھر گھر شاعری کا چرچا تھا۔ ایک ایک شاعر ایک ہی نشست میں فی البدیہہ ہزاروں شعر کہہ ڈالتا تھا۔ نبیٔ کریم کی جائے ولادت مکہ مکرمہ میں ہر سال عرب کے گوشے گوشے سے شعراء جمع ہوجاتے اور اپنے اپنے اشعار قریش کے اکابر کے سامنے پڑھتے تھے۔ اگر کسی کے اشعار قریش کو پسند آگئے تو وہ شاعر کے لیے سرمایۂ افتخار ہوتے تھے اور اس کے کلام کو بیت اللہ کی دیوار سے لٹکا دیا جاتا تھا۔ تاکہ ہر قبیلے کے لوگ معلق مسودہ سے استفادہ کرسکیں۔ اس اعزاز و اکرام سے سارے عرب میں نہ صرف اس شاعر کا مقام بلند ہوجاتا تھا بلکہ اس کے قبیلے کو بھی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ دورِ جاہلیت تھا جو اختتام کی منزل پہ پہنچ رہا تھا۔ شاعری شباب پر تھی اور اس کا دامن دلکش تشبیہات و لطیف استعارات، بلیغ اشارات و دلچسپ کنایات

صحرائی و قدرتی مناظر، متنوع اسالیب و کثیر پرشکوہ فصیح و بلیغ الفاظ سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ادبِ صالح اقدار سے محروم تھا۔ زبان کی کوکھ سے ایک ایسا ادب وجود میں آچکا تھا، جس میں عشق بازی، مئے نوشی، ہزل گوئی، ہجو گوئی، مبالغہ آرائی، غالیانہ مدح سرائی اور فحاشی و عریانی کی بھرمار تھی۔ ایسی شعری و ادبی فضا میں صاحب جوامع الکلم صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ وحیٔ محمدیؐ نے شعر و ادب کی دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ جس سے شعر و ادب، فکر و نظر اور جذبہ و خیال کے زاویے اور پیمانے بدل گئے۔ شاعری میں صداقت و صالحیت اور طہارت و نظافت کا عنصر غالب آگیا۔ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا ۝ (الشعراء) کے اعلان سے ان شعراء کو مستثنیٰ ٹھہرایا گیا جن کے اندر ایمان ہے اور ان کے گفتار و کردار میں مطابقت ہے اور ان کے رگ و پے میں ذکر الٰہی سرایت کر گیا ہے اور ان کی شاعری میں انسدادِ ظلم اور حمایتِ حق کا عنصر موجود رہے۔

اور خود نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شاعری سے متعلق اچھی رائے ظاہر کی ہے اور اس کے ذریعہ اصلاحی اور تعمیری کام لیا ہے۔ فرمایا: ان من الشعر لحکمۃ: بعض شعر تو سراپا حکمت ہیں۔

آپؐ اچھے اشعار کو پسند فرماتے تھے اور کبھی کبھی سُنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپؐ کو ایک سو عمدہ عمدہ اشعار سُنائے تو آپؐ نے انہماک کے ساتھ سُنا اور بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا اور اشعار ہوں تو سناؤ۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینۂ منورہ پہنچے تو دخترانِ انصار نے آپؐ کا استقبال ان اشعار سے کیا آپؐ نے کوئی ردّ عمل ظاہر نہیں کیا۔ ؎

اشرق البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	ما دعا للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

ان پہاڑوں سے جو ہیں سُو ئے جنوب + چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا، کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے + شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی + بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

شعر کی اثر انگیزی اور انقلاب آفرینی ایک روشن اور مسلّم حقیقت ہے۔ جس سے بے اعتنائی نہیں کی جا سکتی چناں چہ غیر مسلم شعراء نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف شعر کو استعمال کیا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے شعر کے ذریعہ جواب دینے کی ہدایت فرمائی۔ کعب بن مالک کو حکم دیا کہ تم اپنے اشعار کے ذریعہ اس فتنہ کا انسداد کرو۔ خدا کی قسم

تمہارے شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہیں: اشد علیہم من النبل۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ کو مسجد نبویؐ میں منبر پر بیٹھا کر اشعار سنا کرتے تھے اور انھیں مجاہدین اسلام کے حوصلوں کو بلند رکھنے کے لیے مدحیہ اور رزمیہ شعر کہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

بڑی مشہور حدیث ہے ان المؤمن یجاھد بسیفہ ولسانہ ۔ مومن ظلم کا مقابلہ شمشیر سے بھی کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ اس ارشادِ گرامی سے یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ تلوار کی دھار کی طرح قلم کی نوک بھی تیز ہوا کرتی ہے۔

کعب بن زہیر کے گلدستۂ نعت "قصیدۂ بانت سعاد" میں ایک شعر ایسا بھی ہے جس کی اصلاح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ آپؐ نے سیوف الھند کو سیوف اللہ سے بدل دیا ہے۔ ؎

ان الرسول لسیف یستضاء بہ — مھند من سیوف اللہ مسلول

رسول کریمؐ کی تلواروں میں سے ایسی مضبوط ہندوستانی لوہے کی بنی ہوئی شمشیر براں ہیں درخشندگی فراہم ہوتی ۔

نعتیہ شاعری کا آغاز سرزمینِ عرب سے ہوا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت ابو طالب کو پہلے نعت گو شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت کی شان میں سو اشعار پر مشتمل زوردار قصیدہ لکھا اس میں اپنی اُمنگوں اور آرزوؤں کا دل نشین پیرایہ میں اظہار کیا ہے اور آپؐ کے ساتھ اپنی محبت والفت اور وفاداری و جان نثاری کا تذکرہ کیا ہے۔ ؎

وابیض یستقی الغمام بوجھہ — ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(محمدؐ) سراپا خیر وبرکت ہیں جن کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے اور وہ یتیموں کا ماویٰ اور ملجا ہے اور بیواؤں کی آبرو ہے۔
اس شعر کا پس منظر نبی کریمؐ کا بچپن تھا۔ عرب میں سخت قحط پڑا۔ ابو طالب نے آنحضرت کے وسیلہ سے دعا کی تو مکہ مکرمہ میں خوب بارش ہوئی۔

اسی نوع کا واقعہ ہجرت کے بعد پیش آیا۔ مدینۂ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں بارش نہیں ہو رہی تھی تو ایک شخص نبی کریمؐ کی خدمت آپہنچا اور قحط سالی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا — واین فرار الناس الا الی الرسل

یارسول اللہ! ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپؐ کے دامنِ رحمت میں پناہ لیں اور لوگ اپنے انبیاء کو چھوڑ کر بھی کہاں جا سکتے ہیں۔

اس شخص کی فریاد پر نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم چادر مبارک سمیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ ابھی آپؐ نے اپنے ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا تھا کہ آسمان پر سیاہ بادل پھیل گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہونے لگی۔ ہفتہ بھر مسلسل بارش ہوتی رہی۔ پھر لوگ دوڑے دوڑے آپؐ کی خدمت میں آ پہنچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ڈوبے جارہے ہیں۔ یہ سن کر رحمتِ عالمؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے سیاہ بادل چھٹنے گئے۔ اور مدینہ کا مطلع صاف ہوگیا اور بارش تھم گئی۔

اس منظر سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسرت پھیل گئی، ارشاد فرمایا: کاش! میرے چچا ابو طالب ہوتے تو اس منظر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ کوئی ہے یہاں جو اُن کے اشعار سُنا سکے؟ یہ سُن کر حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شاید آپ کا اشارہ والد کے ان اشعار کی جانب ہے۔ یہ کہتے ہوے حضرت علیؓ نے ابو طالب کے قصیدے سے چند شعر نذر کیا۔ حضور اکرمؐ نے اشعار سُن کر فرمایا: ہاں! میرا یہی مقصد تھا۔

حضرت علیؓ کے کلام سُنانے کے بعد قبیلۂ کنانہ کے ایک شاعر نے بھی چند نعتیہ شعر پیش کئے جن میں نبیٔ کریم علیہ صلے اللہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو نزولِ باران کا سبب ٹھہرایا: ؎

لک الحمد والحمد ممن شکر   سقینا بوجہ النبی المطر

حضرت ابو طالب کے بعد نعت کے میدان میں کئی ایک شعراء آ پہنچے انمیں نبیٔ کریم کے دو چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ، نبیٔ کریم کے دو خسر حضرت ابو بکرؓ اور عمر بن الخطابؓ، نبیٔ کریمؐ کے دو داماد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ، نبیٔ کریمؐ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، نبیٔ کریمؐ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ اور حضرات صحابہؓ کی کثیر تعداد شامل ہے۔ ہر ایک نے آنحضرتؐ کے ساتھ والہانہ احساسات، جاں نثارانہ جذبات اور فداکارانہ خیالات کو پیش کیا ہے۔

اس مقام پر ایک صحابیٔ رسولؐ حضرت سواد بن قاربؓ کے نعتیہ قصیدہ سے ایک شعر پیش کرنا فائدے سے خالی نہیں۔ جس کے ذریعہ ایک ایسے مسئلہ کی وضاحت ہو رہی ہے جو موجودہ زمانہ میں اختلافی اور نزاعی شکل اختیار کر گیا ہے۔

وانک اولی المرسلین وسیلۃ   الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطائبٖ

اے نجیب الطرفین! اللہ کی طرف آپؐ کا وسیلہ تمام پیغمبروں میں بہتر ہے۔

دورِ نبوت میں جو نعتیں کہی گئی ہیں وہی نعت کا اولین نقش ہے۔ اس عہد سے لے کر آج تک بھی

نعت گوئی کا سلسلہ جاری ہے۔ موجودہ زمانے میں عربی کی نعتیہ شاعری نے ہئیت اور مضامین دونوں اعتبار سے بڑی وسعت اختیار کرلی ہے۔ اس کے اثرات بالواسطہ اردو نعتیہ شاعری میں بھی ملتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے معروف مصری شاعر امیر الشعراء احمد شوقی کے معروف نعتیہ قصیدہ "نہج البردہ" سے دو شعر یہاں نقل کرتے ہوئے میں روئے سخن دوسری طرف موڑ دینا چاہتا ہوں: ؎

فالطف لاجل رسول العالمین بنا ولا تزد قومہ خسفا ولا تسم

اے اللہ! دونوں جہاں کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہم پر رحم فرما اور اُمّتِ محمدیہ کو قعرِ مذلت میں نہ دھکیل

یارب احسنت بدأ المسلمین بہ فتمم الفضل وامنح حسن مختتم

اے اللہ! تو نے اُمّتِ محمدیہ کا آغاز رسولِ عربی کے طفیل سے کیا ہے۔ اسی طرح اپنے فضل و کرم سے مکمل فرما اور اُمّتِ محمدیہ کے اختتام کو حسنات سے بھر دے۔

پیغامِ محمدی سرزمینِ حجاز سے نکل کر عجم کی زمین میں پہنچا تو یہاں کی قوموں اور ان کی زبان و ادب، تہذیب و تمدن اور معاشرت پر عربی زبان اور اسلام کے اثرات مرتب ہونے چلے گئے۔ نعت بھی عرب کے حدود سے نکل کر سرزمینِ ایران پہنچی، جہاں فارسی کا چلن عام تھا اور یہ ایرانیوں کی مادری اور قومی زبان اس حیثیت سے ہر سُو پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں بھی ان گنت شعراء نے اس صنف کو گلے لگایا اور نعت گوئی مختلف اصنافِ سخن مثلاً مثنوی، قصیدہ، نظم اور غزل کے قالب میں ہوتی رہی اور نعتیہ شاعری پر ایک عظیم ذخیرہ وجود میں آگیا۔ فارسی شعراء میں سعدی، فردوسی، شمس تبریزی، رومی، جامی، حافظ شیرازی وغیرہ کے اسمائے گرامی تاریخی، ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت اور وقعت کے حامل ہیں۔ ان شعراء میں فردوسی کی شخصیت سرخیل کے مانند ہے۔ غالباً پہلے نعت گو شاعر ہونے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔

فارسی زبان کو اس کے فطری حسن و جمال اور شیرینی و لطافت اور فاتح حکمرانوں کے باعث دوسرے ملکوں میں بھی قدم جمانے کا موقعہ مل گیا اور وہ ہندوستان میں داخل ہوگئی اور یہاں پہنچ کر سرکاری زبان ہونے کا فخر حاصل کرلیا۔ اور شاہوں کی سرپرستی میں خوب پھیلی اور پھلی اور قریباً ایک ہزار سال تک اس کا غلغلہ سارے ہند میں بلند ہوتا رہا اور وہی اہلِ علم اور اربابِ فن کی زبان بنی رہی، اردو زبان کی نوخیزی، کوتاہ دامنی اور اس کی عوامی حیثیت کے باعث علما، فضلاء فارسی ہی کو اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بنائے رہے اور بے شمار ہندوستانی شعراء نے فارسی ہی میں مختلف اصناف میں نعت کہی۔

چناں چہ علامہ اقبال نے اپنا عالمی اور آفاقی پیغام لوگوں تک پہنچانا چاہا تو فارسی ہی کی جانب التفات کیا۔ کیوں کہ عربی زبان کے بعد فارسی ہی اس قابل تھی کہ اس میں ہر قسم کے خیالات اور نظریات کو خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔

شمال وجنوب میں فارسی نعت گو شعراء کی طویل فہرست ہے۔ ہم یہاں صرف جنوبی ہند کے ایک صوفی بزرگ شاعر حضرت ذوقی ویلوری کا نام لینے پر اکتفا کر رہے ہیں، جن کے نوکِ قلم سے تاریخی وادبی نعتیہ مثنوی "معجزِ مصطفٰی" [۱۴] معرض وجود میں آئی۔ جسے بجا طور پر حضرت ذوقی کا 'شاہنامۂ اسلام' کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی ایک مثنوی لکھنے کا خیال مرزا غالب کو دامن گیر رہا اور انہوں نے اس کا نام بھی "ابر گہر بار" تجویز کیا۔ لیکن مرزا تمہید سے آگے نہ بڑھ سکے اور سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ تاہم نعت سے متعلق انہوں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ ایک انفرادی حیثیت لیے ہوئے ہے۔ ان کا یہی ایک شعر عقیدت ومحبت اور احترام واکرام سے بھرپور نعت ہے: ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزداں بگذاشتم — کہ آن ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

حضرت ذوقی کی یہ شاہکار نعتیہ مثنوی سات ہزار دو سو [۲۰۰ ۷] اشعار پر پھیلی ہوئی ہے۔ ؎

ہمہ بنیش اے مرد نیکو صفات — زآلاف ہفت است و دواز مآت

حضرت ذوقی کی یہ مثنوی، اردو نعتیہ شاعری میں بھی جگہ پا گئی۔ اس کا ترجمہ مولانا حاجی محمود حسرت نے "ریاض السیر" کے نام سے کیا اور یہ کتاب ۱۲۷۹ھ ہجری میں مدراس سے شائع ہوئی۔

آمدم بر سرِ مطلب!

عربی و فارسی زبان میں نعت گوئی سے متعلق اس مختصر سی وضاحت سے مقصد اور منشاء یہ تھا کہ اردو نعتیہ شاعری کے ماخذ اور اس کے اصل سے کسی قدر شناسائی حاصل ہو جائے۔ کیوں کہ نعتیہ شاعری حجاز سے ایران ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچی اس لیے عربی وفارسی کے اثرات لسانی وفنی اور نظریاتی اعتبار سے اردو نعتیہ شاعری پر مرتب ہونا ایک فطری اور لازمی بات تھی۔

اردو کی جائے ولادت کے بارے میں اربابِ فکر ونظر کی آراء مختلف ہیں۔ شمالی ہند میں ریختہ، کھڑی بولی، اردوئے معلٰی کی پیدائش سے پہلے جنوبی ہند میں جو زبان معرض وجود میں آ چکی تھی وہ دکھنی اور ہندی کے نام سے یاد کی جا رہی تھی۔ اس اعتبار سے اردو کی ابتدا دکن میں ہوئی کہنے میں کوئی خلاف واقعہ بات نہ ہوگی۔ اردو میں نعت گوئی کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اور اردو کے پہلے شاعر خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ) کو قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کی لکھی ہوئی یہ نعت

اردو کی پہلی نعت قرار دی گئی ہے۔

نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں مذکورہ نعت کے علاوہ خواجہ کی غزل نظم اور نثر کے اقتباسات نقل کئے ہیں : ؎

اے محمدؐ یحلوجم جم جلوہ تیرا — ذات تجلی ہوے گی سیس سپورنہ سہیرا
واحد اپنی آپ تھا اپیں آپ بخا یا — پر کٹہ جلوے کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کا کر کاف نون بسایا — لولاک لما خلقت الافلاک خالق یا لائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود ہو آئے — امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے

بندہ نواز گیسودراز کے بعد جس شاعر کا مستقل نعتیہ کلام دستیاب ہوا ہے وہ نظامی ہے۔ اس کی ایک مثنوی ہے "کدم راؤ اور پدم" یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ جو سلطان احمد شاہ ثالث بہمنی کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ درباری شاعر تھا اس مثنوی میں حمد اور نعت اور منقبت پر حاوی شعر ہیں۔ نعتیہ شعر یہ ہیں : ؎

تہیں ایک ساچا گسائیں امر — سری دوی تیں جگ تو راد گر
محمدؐ حرم اوم بنیاد نور — دو ہی جگ سری ولے پوسا و نور (دکن میں اردو)

اردو کے اس ابتدائی عہد میں نعت کو مستقل صنف اور ایک مستقل موضوع کلام کی حیثیت اختیار نہیں کیا گیا تھا بلکہ مروج اصناف سخن میں نعت کو شامل کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قصائد اور مثنویوں کے موضوعات پہلے سے متعین ہوں ان کے اندر حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل چند اشعار کو جگہ دی جاتی تھی۔

علیم صبا نویدی نے ظفر ہاشمی جمشید پوری، ظہیر غازی پوری اور ناوک حمزہ پوری کے حوالوں سے اپنی کتاب "ٹمل ناڈو میں نعت گوئی" میں جو وضاحتیں اور صراحتیں کی ہیں، ان کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے جس سے ہمارے مقصد کی تشریح اور ہمارے خیالات کی تائید بطریق احسن ہوتی ہے۔

"اردو زبان میں باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز قطب شاہی عہد میں ہوا۔ اس زمانہ میں عام طور نعت مثنوی، قصیدہ اور نظم کی بعض دوسری ہیئتوں میں کہی جاتی تھی۔ قطب شاہی عہد کے مقبول اور ممتاز شعراء میں محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ، سید بلاقی، مولانا نصرتی اور مولوی غلام امام شہید وغیرہ شامل تھے اردو اور دکنی زبان و ادب کی طرح اردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز بھی دکنی عہد سے ہوتا ہے۔ چناں چہ آ کی

زمانے سے لے کر عہدِ جدید تک ہر دَور اور ہر دبستان میں نعت و منقبت کہنے والے شعراء کرام کی ایک لمبی قطار ملتی ہے . جس کو صفحۂ قرطاس پر لانا ممکن نہیں۔ ان میں قطب شاہ، وَلی دکنی اور سراج اورنگ آبادی جیسے نامور شعراء کرام ہیں۔ کلاسیکی نعتیہ شاعری تمام اصناف میں رائج تھی۔ چاہے وہ مثنوی ہو یا قصیدہ، مرثیہ ہو یا رباعی۔ یہاں تک کہ دوہوں میں بھی نعت اور منقبت کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، کیوں کہ اس زمانہ میں عام مزاج اور ماحول یہی تھا ۔"

نسبتاً زیادہ معتبر تحقیق یہ ہے کہ اردو کا انکھوا دکن میں پھوٹا اور وہاں کے بیشتر شعراء جن میں خصوصی طور پر محمد قلی قطب شاہ، وجہی، نصرتی، نشاطی، معظم، فتاحی، غواصی اور مختار وغیرہ ہیں' نے اردو کی پرورش و پرداخت میں بھرپور حصہ لیا۔ دورِ قدیم میں دکن میں بھی اکثر و بیشتر اصناف سخن میں شعراء نے جوہرِ طبع کا مظاہرہ کیا لیکن نسبتاً مثنوی نویسی پر زیادہ توجہ دی اور اس دور کو مثنویوں کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ، اخلاقی، مذہبی، تاریخی، شخصی موضوعات و واقعات پر مثنویاں لکھی گئیں۔ خوشی نامہ، وصیت الهادی، قطب مشتری، سیف الملوک، پھول بن، علی نامہ، دہ مجلس اور بوستانِ خیال وغیرہ قابلِ ذکر مثنویاں ہیں اور نعتیہ اشعار کے نمونے مہیا کرتی ہیں۔

اردو نعتیہ شاعری کے دورِ اول اور دورِ ثانی میں معراج ناموں کی صورت میں کئی ایک شعری تخلیقات منصۂ شہود پر رونما ہوئی ہیں اور بے شمار شعراء کرام نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ معراج اور اس کے ضمن میں نصیحت آموز نکات کو بیان کیا ہے۔ معراج نامے بھی نعتیہ شاعری کا ایک لائق اعتناء حصّہ ہے۔ معراج ناموں کی تصنیف و تحریر میں حضرت قربی ویلوری کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے معراج نامے کا ماخذ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی کتاب "معارج النبوۃ" ہے حضرت قربی کا یہ معراج نامہ ہنوز قلمی شکل میں ہے۔ یہ مخطوطہ ٢٧ ابواب اور ١٤٠ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے جملہ اشعار ڈیڑھ ہزار سے زائد ہیں۔ اس کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ حضرت قربی نے معراج نامہ کا آغاز حمد سے کیا ہے اور نعت پر ختم کیا ہے۔ [۵]

سرانا خدا کو سزاوار ہے   کہ ہر ذرّہ اس کا نمودار ہے
ہر ایک ذرّہ رکھتا ہے اس کا اثر   ہے دال اس کی صفات و ذات پر
کیا ختم ہیں ذکر معراج کا   بنام محمدؐ نبی مصطفےٰ! [۶]

معراج نامہ کے عنوان سے طویل مثنویاں لکھنے والوں میں بلاقی اور نصرتی وغیرہ کے نام لسانی، ادبی اور تاریخی عظمت کے حامل ہیں۔

طویل ترین مثنویاں لکھنے والوں میں مولانا باقر آگاہ مدراسی کا نام بھی شعراء متقدمین میں شامل ہے۔ انہوں نے "ہشت بہشت" کے نام سے نو ہزار اشعار پر مشتمل کتاب لکھی ہے، جس میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

مثنویوں کے باب میں مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری خلیفۂ حضرت قطبؒ ویلور کا تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ بحث تشنہ رہ جائے گی۔ حضرت واعظ نے چودہ ہزار اشعار پر مشتمل نعتیہ مثنوی تخلیق کی ہے۔

یہ مثنوی "جنان السیر فی احوال سید البشرؐ" سیرت کے موضوع پر ایسی مفصل اور مبسوط کتاب آج تک بھی اردو میں نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب کا غلغلہ ایک صدی تک سارے جنوب میں بلند رہا۔ ربیع الاول کے مہینے میں ہر سال میلاد النبیؐ کی مجالس نہایت اہتمام واحتشام اور محبت وعقیدت کے ساتھ گھروں، مسجدوں اور پبلک جگہوں میں آراستہ ہوا کرتی تھیں۔ جن میں 'جنان سیر' پڑھی جاتی تھی اور ہزاروں مرد اور عورتیں اور بچے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سنا کرتے تھے۔ موجودہ زمانے میں یہ مجلسیں بدعت کی زد میں آکر دم توڑ دی ہیں۔ اسی کے ساتھ سیرتِ طیبہ کی افادیت اور برکت بھی رخصت ہو گئی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ قدیم کرناٹک کے شہروں میں لڑکیوں کو جہیز میں قرآن شریف کے ساتھ 'جنان السیر' کا نسخہ بھی دیا جاتا تھا۔

مولانا عبدالقادر صوفی لکھتے ہیں :۔۵

خصوصاً جنان السیر کے تئیں — دیا ایسی شہرت خدائے متین

کہ دکن سے لے تا بہ ہندوستان — ہے ہر شہر اور قریہ میں اس کا نشاں

حرم بیچ مکے مدینے کی بھی ! — پڑھا کرتے ہیں ہندیاں اس کو بھی

بھی اس ملک کے شہر و دیہات میں — وہی مسجدوں محفلوں میں پڑھیں

بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم

"علامہ عبدالحی اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم تھے، قادر الکلام شاعر و ادیب بھی اور کثیر التصانیف بزرگ بھی۔ سیرِ طیبہؐ کو نظم میں پیش کرنے میں انہوں نے کم از کم جنوب میں اولیت کا شرف حاصل کیا جو بہت مقبول ہوئی۔"

شاعری کی دنیا میں نعت ہی ایسی واحد صنف ہے جو تمام قدیم اور جدید اصناف سخن میں نظر آتی ہے۔ نعت کی ہیئت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے اس کے موضوعات اور معانی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ موجودہ زمانے

نعت کے اندر فرد کے مسائل، اجتماع کے مسائل، سماج کے مسائل بلکہ زندگی کے مسائل اور آفاقیت بھی زیرِ بحث آنے لگے ہیں۔ یہاں چند شعر ملاحظہ کیجیے جن سے ہمارے خیالات کی توثیق ہوسکتی ہے : ؎

- یاں مشرق و مغرب کا تفاوت نہیں کشفیؔ — داماں رسالتؐ کی ہوا سب کے لیے ہے — (کشفیؔ)
- ہر عہد کے انسان پہ احسان ہیں جس کے — ہر دور کو محسوس ہوی اس کی ضرورت — (بشیر احمد بشیرؔ)
- اب تو بتانِ عصر سے زندگی بھر لڑوں گا میں — میرا یہ عزم آہنی آپؐ کے دم قدم سے ہے — (منیرؔ قصوری)
- نعت کیا ہے؟ گلشنِ افکارِ ختم المرسلینؐ — نعت کیا ہے؟ راہِ ہستی میں سراج السالکین — (راغبؔ مرادآبادی)
- نعتِ رسولِ کریمؐ، فکر و نظر کا کمال! — نعتِ رسولِ کریمؐ، عقل و خرد کا ظہور — (خالدؔ علیم)
- نعت کیا ہے؟ چمنِ دل کے لیے اذنِ حیات — جس سے ہوتی ہے ہر اک چشم بصیرت بیدار — (سجادؔ رضوی)
- نعت سے بیدار ہو جاتی ہے روحِ کائنات — اس کے سایہ میں اماں پائی ہے انساں کی حیات — (قیصرؔ کانپوری)

موجودہ زمانے میں بعض نئی ہیئتوں اور زمینوں میں نعت جو کہی جارہی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: ہائیکو، سانیٹ ترویني، ماہیا، دوہا، چو بولے، آزاد نظم، آزاد غزل، نثری نظم وغیرہ۔ سانیٹ نعتیہ کلام لکھنے والوں میں عزیز تمنائی مدراس، انورؔ مینائی بنگلور، فاروق شکیلؔ حیدرآباد، علیم صباؔ نویدی کے نام نمایاں ہیں۔ آزاد نظم کے پیراہن میں نعت کہنے والوں میں پروینؔ شاکر، پاکستان، کوثرؔ صدیقی بھوپال، عمیقؔ حنفی دہلی، راہیؔ فدائی کڈپہ وغیرہ ہیں۔ آزاد غزل کے رنگ و آہنگ میں نعت گو شعراء کی فہرست بڑی طویل ہے۔ جن میں پروفیسر کرامت علی کرامتؔ کٹک، مناظرؔ عاشق ہرگانوی بھاگلپور، علیم صباؔ نویدی، ظہیرؔ غازی پوری اور ماجدؔ الباقری پاکستان کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ اصنافِ جدید کی تعریفات، قیودات، لوازمات اور ان کی تاریخیت سے متعلق علیم صبا نویدی کی کتاب "اردو شاعری میں نئے تجربے" بڑی مفید اور وقیع ہے۔ اسی سے تھوڑا بہت نعتیہ کلام نمونہ کے طور پر یہاں پیش ہے : ؎

وہ نوری صفت، ذات ظلمت شکن
اسی کا بہر طور احسان ہے
اسی کا۔ اسی کا یہ فیضان ہے
کہ رحمت ہوی ہر طرف ضو فگن
وہ نوری صفت، وہ شہنشاہِ دینؐ

وہ نُوری صفت، بختِ آدم کا نُور
تو کہلایا وہ خاتم المرسلینؐ
وہ نُوری صفت، بے نظیر و بشیر
سُنانے لگا نغمۂ دلپذیر
وہ نُوری صفت، سرورِ انبیاء
منوّر بشکلِ بشر جب ہوا
مُقفل جو تھا، رحمت رحمت کھُلا

نعتیہ سانیٹ
نادم بلخی

❖ میرا وہ آقا، میرا محسن
نام لوں میں اُس کا، میں ہر اک دن
اُس سے ہی میری بات بنی
کا سکھی ساجن؟ نا نا ..... نبیؐ

نعتیہ کہہ مکرنیاں — شارق جمال

❖ قرآن کی آیات
دل سے پڑھیے تو لگتی ہے
پیارے نبیؐ کی نعت

نعتیہ ہائیکو — بیکل اتساہی

❖ آسمان ہو یا زمیں
بن کے آئے دہر میں نبیؐ
رحمۃ للعالمین

نعتیہ ہائیکو — ساحر شیوی

❖ امی لقبی ہیں وہؐ
نُورِ خدا کا ہیں
نبیوں کے نبیؐ ہیں وہؐ

نعتیہ ہائیکو — محمد علی اثر

آخرش تیرگی
چھٹ گئی آپ ہی، آپؐ جب آ گئے

نعتیہ ترویني — علیم صبا نویدی

زندگی سے گلے زندگی مل گئی، با مہذب ہوی وحشتوں کی گلی

❖ سُن لو اے پیارے نبیؐ میری بھی فریاد
دُور بہت ہوں آپؐ سے، رہتا ہوں ناشاد
رہتا ہوں ناشاد، ہوا ہوں ملنے سے مجبُور
دے کے گہرا زخم کوئی چلا گیا ہے دُور
ڈرتا ہوں نہ ہو جائے گا ڈُمرا ناسُور
جانے کیا ہے اے نبیؐ، اللہ کو منظور

نعتیہ جو بولے
ناشاد اورنگ آبادی

حاصل کلام! نعت کا سفر آغازِ آفرینش سے ہوا ہے جو صبحِ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ میں اس تحریر کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سراپائے مبارک پر ختم کئے دیتا ہوں جو نعت ہی کا عکسِ جمیل ہے۔
روئے تاباں کی رخشندگی کے سامنے بدرِ کامل بھی بے نور، انتہائی پُرکشش اور حسین وجمیل جس کی ایک جھلک سے سارے آلام ومصائب کا احساس فنا ہو جائے اور زبان بے ساختہ کہہ اٹھے کل مصیبۃ بعدك جلل

آنکھیں حسین، سیاہ اور روشن
پیشانی کشادہ اور فراخ
زلف کالے چمکیلے، گھنے اور لمبے
گردن اونچی جو دیکھنے میں خوب صورت معلوم ہو
دندان شفاف موتی کی طرح چمکدار مسکرائے نور روشنی پھوٹ پڑے
راہ چلے تو خوش بو مہکے جس سے منزل کا نشان معلوم ہو جائے
دور سے دیکھنے میں زیبندہ دلفریب اور دلآویز
قریب سے بے پایاں شیریں اور بکمال حسین
قد میانہ اور موزوں
اکثر خاموش اور پُروقار لیکن دلبستگی لیے ہوئے
آواز میں رعب وجلال

زبان نہایت شیریں کلام سلجھا ہوا اور بے حد موثر ودلنشین
اور مخاطب کے فہم سے مناسب، لہجہ نرم وخوب صورت
گفتگو نہ اتنی مختصر کہ سامع مافی الضمیر سمجھنے سے قاصر رہے
اور نہ اتنی طویل کہ بارِ خاطر ہو
ہر وقت جان نثاروں کے حلقہ میں
مصاحبین ایسے سعادت مند کہ ایک خفیف اشارہ پر دُنیا
ومافیہا کو قدمِ ناز پر قربان کردیں
دربار تکلّف وتصنع، زیبائش وآرائش، فخر ومباہات کے

لوازمات سے خالی اور شاہ وگدا کے امتیازات سے عاری
لیکن عظمت وجلالت اور شان وشوکت کا یہ عالم
کہ کوئی بھی آنکھ ملا کر بلند آواز سے بات نہ کر سکے
مخلوق بھی شامل خدا سے واصل
سراپا جمال ہی جمال، حُسن ہی حُسن، لطافت ہی لطافت
نُور ہی نُور
ان عدیم النظیر خصوصیات کے ساتھ اُمّت سے اتنی
محبت والفت اور شفقت ورأفت کہ جاں بلب
رہتے ہوئے بھی ہونٹوں پر اُمّتی اُمّتی کا ورد
اور قیامت کی ہولناک لرزہ خیز ساعت میں گنہ گاروں
کو شفاعت کی یقین دہانی
اس حسین سراپا کی مالک اس ذات ستودہ صفات کے
علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ جس کی شان بے نظیر
یہ ہے

یا صاحب الجمال و سیّد البشر ﷺ
من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سلام اس پر کہ جو آئینۂ انوارِ یزداں ہے
سلام اس پر کہ جو جانِ صفاتِ ذات پنہاں ہے
سلام اس پر کہ جو شرحِ اَنَا ہے صورتِ اَنْتَ
سلام اس پر کہ جس کا حسن آپ اپنے پہ حیراں ہے
سلام اس پر کہ جس کی راہ لا ہے اور منزل ھُوْ
نفس ہر ایک جس کا فرش سے تا عرش جولاں ہے
سلام اس پر جو حسنِ خود نگر کا دل ہے دھڑکن ہے
تمام ارواح کے ماتھے پہ سجدہ جس کا پنہاں ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات اول بھی ہے آخر بھی
ازل کی صبح کا پیغام شام محشرستاں ہے
سلام اس پر کہ جو اک محملِ حسنِ دو عالم ہے
حریم ناز کا پردہ نقابِ روئے جاناں ہے
سلام اس پر جسے اک کائناتی گلستاں کہیے
نمایاں جس کے ہر ذرّہ سے خود جانِ گلستاں ہے
سلام اس پر جو ہے وجدان کی آنکھوں کی بینائی
مکان ولامکاں کا عقدہ ہر اک جس پہ آساں ہے

سلام اس پر کہ جس گرمِ بازارِ دو عالم ہے
مقام وقت کی تعبیر ہی جس کی رگِ جاں ہے
سلام اس پر جبینِ انبیاءؑ میں جو رہا پنہاں
بشکلِ عالمِ ایجاد محشر تک نمایاں ہے
سلام اس پر کہ جس میں تکملہ ہے آدمیّت کا
نبوت کا چراغ ضوفشاں ہے فخرِ انساں ہے
سلام اس پر براھیمیؑ دعا کا جو اثر ٹھہرا
سراپا رحمۃٌ للعٰلمینؐ ہے نازِ دوراں ہے
سلام اس پر کہ وہ جو جنتیوں کی ایک جنّت ہے
چراغِ خوابگہِ حُسنِ معنیٰ شمعِ فاراں ہے
سلام اس پر یکتا جس کی صورت بھی سیرت بھی
لبِ معجز نما کی ایک اک جنبش بھی قرآں ہے
سلام اس پر مری ہستی پہ جس کی چشمِ رحمت ہے
نثارؔ اک اک ادا پہ جس کی گنجِ جان وایماں ہے

روداد دار العلوم لطیفیہ

ادارہ

آج کے اس تیزی سے بدلتے ہوئے دور میں مذہبی علوم سے دوری بڑھتی جارہی ہے۔ اور دن بدن لوگ اس سے غیر مانوس ہوتے جارہے ہیں۔ مذہبی علم حاصل کرنے والوں کے پیش نظر یہی ایک سوال گردش کررہا ہے کہ ایک مذہبی ادارہ میں سات سال کی طویل مدت گزارنے کے بعد بھی معاشی آسودگی کے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ بظاہر یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ سوال سرتاسر حقیقت سے خالی نظر آئے گا کیوں کہ اس سوال کا جواب مختصر لفظوں میں یوں دیا جاسکتا ہے کہ معاش کا حل کسی مخصوص علم وفن، زبان وادب کے سیکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ جب کہ ساری کائنات کا رب حق تعالیٰ ہے اور بلا امتیاز وہ ہر ایک کے لیے اسبابِ زندگی مہیا کرتا ہے: وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

آغازِ سالِ نو

دار العلوم لطیفیہ کا نیا تعلیمی سال اور طلباء کا داخلہ ۱۱ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ ہجری سے شروع ہوا۔ ہر سال کی طرح امسال بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے طلباء قدیم وجدید آتے رہے۔ بحمد اللہ ان کا داخلہ ہوتا رہا۔

دورۂ حدیث

مورخہ ۲۵ ر شوال المکرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۸ ر ماہ نومبر ۲۰۰۵ء روز دوشنبہ دار العلوم کے عریض ہال میں صحیح البخاری وصحیح المسلم شریف کا آغاز عالی جناب مولانا ڈاکٹر سید شاہ ابو محمد عثمان قادری صاحب مدظلہٗ العالی کی دعاؤں کے ساتھ ہوا اور مورخہ ۲۵ ر رجب ۱۴۲۶ھ موصوف مدظلہٗ العالی کی دعاؤں پر اختتام پذیر ہوا۔

انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس

بروز شنبہ ۲۵ ر ڈسمبر ۲۰۰۴ء بعد نمازِ ظہر ٹھیک تین بجے، دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور کے وسیع وعریض ہال میں عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ کے زیرِ صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں بحیثیتِ مہمانِ خصوصی عالی جناب مولانا مولوی سید شبیر احمد لطیفی بلمبیر صاحب مدعو تھے۔ موصوف نے طلباء

سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یہ میری مادرِ علمی ہے۔ میں بچپن سے اس مدرسے سے جڑا ہوں۔ موصوف نے طلباء سے فرمایا کہ آپ مجاہدینِ علمِ دین ہو، قوم کے قائد ہو اور دین کے قاضی، حدودِ اسلام کے محافظ ہو اور دین وملت کے روشن مینار ہو۔ موصوف نے طلباء کو محنت و ذوق وشوق سے تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے اپنے خطاب کو ختم فرمایا۔ بعد ازاں نائب ناظم عالی جناب مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب نے عہدیداروں کی فہرست پڑھ کر سنائی۔ نیز صدرِ جلسہ کی دعاؤں کے ساتھ یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت

طلباء دارالعلوم کے دل ودماغ کو تروتازہ چالاک بنانے کے لیے دارالعلوم کے میدان میں بعد نمازِ عصر مختلف قسم کے گیمس کھلائے جاتے ہیں۔ بیاڈمنٹن، والی بال، ٹینی کائٹ، کرکٹ وغیرہ وغیرہ

نویدِ مسرت

بحمداللہ امسال مدراس یونیورسٹی کے امتحانات، افضل العلماء منشی فاضل، ادیبِ فاضل میں اکثر طلباء نے شرکت کی اور انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوی۔

دارالعلوم کے امتحانات

مورخہ ۷ ماہ مئی ۲۰۰۵ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ روز شنبہ ششماہی امتحانات اساتذہ کرام کے زیرِ نگرانی ہوئے۔
اس کے بعد مورخہ ۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۳ ستمبر ۲۰۰۵ء روز شنبہ تک دارالعلوم کے سالانہ امتحانات شروع اور ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عبا پوشی واعطائے اسناد

بزیرِ صدارت عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور مورخہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مطابق ۵ ماہ ستمبر ۲۰۰۵ء بروز پنجشنبہ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس بڑے پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں قابلِ قدر علمائے کرام اور قابل ترین علم دوست حضرات مدعو تھے۔ نیز ناظم دارالعلوم نے اپنے دستِ مبارک سے فارغین کو عبا و اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوی۔ جس میں درسیات، مقالہ نویسی، تقریر وتحریر اور گیمس واسپورٹس میں

اول و دوم درجہ میں آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا۔ نیز عہدے داروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیۂ تشکر

ہم اُن اطباء و ڈاکٹر حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے موسمی اثرات سے متاثر ہونے والے طلباء پر خصوصی توجہ فرمائی۔ نیز ادارہ ان مدیران اخبار کا تہ دل سے مشکور رہے، جو اپنی اولین فرصت میں دار العلوم کی کارروائیوں کو شائع فرماتے رہے۔ بالخصوص ادارہ جناب کاتب محمد شریف برکاتی آمبور اور عالی جناب سید علیم الدین علیم صبا نویدی صاحب مدراس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے رسالۂ اللطیف کی کتابت، طباعت اور اشاعت کا کام بڑے خلوص کے ساتھ انجام دیا۔

اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہیں کہ ان تمام عقیدت مندوں کو دارین کی سعادت نصیب فرمائیں!

آمین ثم آمین

خانوادۂ اقطاب ویلور کی گیارہویں سالانہ فاتحہ

ویلور 21 جولائی (راست) مورخہ 10 جولائی بروز جمعہ بعد نماز جمعہ خانوادۂ اقطاب ویلور کے آخری چراغ مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادریؒ کی گیارہویں سالانہ فاتحہ منعقد کی گئی۔ جس میں حضرت مکان ویلور کے مریدین و معتقدین و خلفاء بنگلور، گڈگل مدراس و دیگر مقامات سے تشریف لائے مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب نائب ناظم نے مہمانوں کا استقبال کیا، بعد نماز جمعہ قرآن خوانی ہوئی اور ایک جلسہ حضرت کی یاد میں بزیر صدارت عالی جناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان قادری سجادہ نشین خانقاہ حضرت مکان قطب ویلور منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز سید محمد طاہر قادری کی قرات اور حافظ محمد فیاض کی نعت شریف سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت کی یاد میں مرثیے الحاج ڈاکٹر بشیر الحق، مولوی یم بی شیخ فضل اللہ اور مولوی پی محمد ابوبکر و جناب علیم صبا نویدی نے پڑھے۔ بعد نماز عصر آستانہ اقطاب ویلور میں تمام مزارات پر چادر گل چڑھائی گئی (سید نذیر احمد قادری بنگلور)

جواہر القرآن

قومِ سبا

کا ایک درس انگیز جائزہ

افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

قرآنِ کریم کی ایک سورۃ سبا کے نام سے موسوم ہے۔ جو بائیسویں ۲۲ پارہ ومن یقنت کا حصّہ ہے۔ یہ سورہ مکۂ مکرمہ میں نازل ہوی۔ اس کے چھ ۶ رکوع اور چوّن ۵۴ آیات ہیں۔ سبا ایک ملک کا نام ہے۔ جو یمن میں واقع ہے اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجۂ محترم حضرت بلقیس بھی برسرِ اقتدار تھیں۔ سبا ایک قوم کا نام بھی رہا ہے اور یہ لفظ یمن کے باشندوں اور بادشاہوں کے لقب کے طور بھی مستعمل رہا ہے۔ قومِ سبا ایمان وایقان اور حرکت وعمل کی راہ پر گامزن رہتے ہوے تعمیر و ترقی کے میدانوں میں انتہا سے زیادہ آگے بڑھی اور علم وفن، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت تجارت ومعیشت اور ثقافت ومدنیت میں اپنی ایک مستقل شناخت بنائے رکھی۔ پھر اس قوم میں کفر وشرک، گناہ ومعصیت فسق وفجور اور ناشکری کی لہر چل پڑی تو عذاب وعتاب میں گرفتار ہوگئی اور صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹا دی گئی کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور اس کے افراد ایسے منتشر اور پراگندہ ہوگئے کہ ان کا انتشار ایک ضرب المثل بن گیا اور آج بھی عربوں میں گروہی انتشار اور جماعتی پراگندگی میں سبا کی مثال دی جاتی ہے۔ تفرقوا ایدی سبا: یہ جماعت تو ایسی بکھری جیسے سبا۔

سبا سے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپؐ سے پوچھا، سبا جس کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہوا ہے آیا یہ کسی مرد یا کسی عورت یا کسی مقام کا نام ہے تو آپؐ نے جواب دیا: یہ ایک شخص کا نام ہے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ سبا کا نام عبدالشمس تھا اور یہ اپنے دور میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیا اور آپؐ کی شان میں چند نعتیہ شعر بھی کہے تھے۔ سبا ایک کثیرالاولاد آدمی تھا جس کے دس لڑکے تھے چھ لڑکے یمن میں تھے اور چار شام میں تھے۔ اور ان کی نسل سے اہلِ عرب کے یہ مختلف قبیلے پھیلے۔ کندہ، حمیر، ازد، اشعری مذحج، انمار، لخم، جذام، غسان، عاملہ۔

دنیا کی مختلف قوموں میں نبیوں کو بھیجا گیا تاکہ وہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچائیں۔ قومِ سبا میں بھی تیرہ[۱۳] نبیوں کی بعثت ہوئی جنھوں نے سبا کو توحید کی منادی سنائی جس کی وجہ سے ایک عرصہ تک یہ قوم نبیوں کی تعلیمات پر عمل پیرا رہی۔ پھر جب ان کے اندر کفر و شرک، اور کفرانِ نعمت کا مزاج پیدا ہو گیا تو سیلاب کی صورت میں عذاب آ پہنچا اور ان کے سرسبز و شاداب لہلہاتے ہوئے باغات اور عالی شان و خوب صورت محلات ویران ہو گئے۔ سورۂ سبا کی پندرھویں آیت سے لے کر انیسویں[۱۹] آیت تک سبا کی خوش حالی اور بدحالی کا منظر اس طرح پیش کیا گیا ہے:

لقد کان لسبا فی مسکنھم ایۃ...... ان فی ذلک لایٰت لکل صبار شکور

سبا کے شہروں میں موسم خوش گوار اور کیف آور ہوا کرتے تھے۔ سردی اور گرمی معتدل رہتی تھی۔ سارے لوگ صحت مند ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دوسرے قوموں کے لوگ جب ان کی بستیوں میں آجاتے تو ان میں پائی جانے والی بیماریاں اور جراثیم ختم ہو جاتے تھے اور ان کی بستیوں میں مکھی، مچھر، پسو، سانپ، بچھو اور موذی جانوروں کا نام و نشان نہ تھا۔

سبا کے شہروں میں قدرتِ خداوندی اور نعمتِ الٰہی کی نشانی تھی۔ ان کے دائیں بائیں شاداب باغات ہی باغات تھے اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تمہارے رب کا عطا کردہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ۔ پاک و صاف اور عمدہ و لطیف آب و ہوا کا ملک ہے اور رب تعالےٰ بخشش کرنے والا ہے۔ لیکن انھوں نے نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی تو ان پر بند شکن زوردار سیلاب بھیج دیا گیا اور ان کے باغات کی جگہ صرف ایسے دو[۲] باغات دیے گئے جن میں تلخ اور کسیلے اور بدمزہ میووں والے اور کثرت سے جھاڑ اور کچھ بیری کے درخت تھے اور ان میں یہی حقیر اور معمولی چیز کھانے کے قابل رہ گئی تھی۔ اور اللہ نے انھیں یہ سزا اس لیے دی تھی کہ انھوں نے نعمتوں پر شکرگزاری نہیں کی اور توحید کی راہ چھوڑ دی اور اللہ ایسی سزا ناشکرے انسانوں کے سوا کسی اور کو نہیں دیتا۔

اور اللہ نے ان کے اور ان بابرکت بستیوں (شام اور فلسطین) کے درمیان چند اور بستیاں نمایاں اور علانیہ

طور پر ایک دوسرے سے قریب اور مسلسل بسادی تھی اوران میں سفر کی مسافتیں اور چلنے کی منزلیں مقرر کردی تھیں تاکہ وہ رات دن امن وامان اور راحت واطمینان کے ساتھ چلتے پھرتے رہیں۔ غیر آباد وغیر مامون، بے آب وگیاہ اور بے نشان منزل کے علاقوں کے سفر کے مقابلہ میں یہ سفر کس قدر نعمت اور راحت والا ہے۔ کہ اس کی ہر منزل کا نشان معلوم ہو اور ہر سمت متعین ہو اور ہر علاقہ مامون ہو۔ اور ہر جگہ زاد وراحلہ میسر ہو اور بستیاں پیوست اور شاہ راہ پر واقع ہوں۔ قوم سبا کو ایسے ہی سفر کی نعمت حاصل تھی۔ انہیں زاد راہ کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ وہ صبح اپنا سفر شروع کرتے تو دوپہر تک کسی شہر میں پہنچ جاتے تھے جہاں انہیں کھانے پینے اور آسائش وآرام کی ساری چیزیں مہیا ہو جاتی تھیں۔ پھر وہ رختِ سفر باندھ لیتے تو کسی شہر میں شام ہو جاتی تھی اور رات آرام سے گزر بسر ہوتی۔ اور وہ پھر سرگرم سفر ہوجاتے تھے۔ مگر سبا نے ان آسانیوں اور راحتوں کے ساتھ ایسا ہی کردار پیش کیا جیساکہ من وسلویٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کا کردار تھا۔ ان نصبر علی طعام واحد۔

سبا نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے سفر کی مسافتیں طویل کردے۔ انہوں نے ایسی تمنا اور دعا کی کہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں تباہی مول لی۔ اللہ نے سبا کو ایسا منتشر اور پراگندہ کردیا کہ اس کا وجود ہی کررہ گیا اور وہ ایک داستان پارینہ بن کر رہ گئی۔ یہ قوم یمن کے مرکزی شہر صنعاء سے چند میل کے فاصلہ پر شہر مآرب میں آباد تھی۔ یہ شہر دو پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا اور یہاں ایک بہت بڑا مضبوط اور مستحکم اور وسیع ڈیم تعمیر کرلیا گیا تھا جس کی وجہ سے ہمیشہ پانی کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اور اسی ڈیم کے پانی سے یہاں کے باغات ہرے بھرے تھے جن میں ہر قسم کے میوے اور پھول کثرت سے پائے جاتے تھے اور یہ بڑی عبرت خیز بات ہے کہ جو ڈیم ان کی خوشحالی اور ترقی میں کلیدی رول ادا کررہا تھا، وہی ان کی ہلاکت وتباہی کا ذریعہ بنا اللہ نے جب اس قوم کو ان کی بداعمالیوں کے باعث ہلاک کرنا چاہا تو اسی ڈیم کے ذریعہ نیست ونابود کردیا۔ چناں چہ کتب تفاسیر میں منقول ہے کہ سارے ڈیم پر بے شمار اندھے چوہے پھیل گئے اور انہوں نے بل سازی کی خدمت انجام دے دی جس کے نتیجہ میں ڈیم کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی چلی گئیں اور جب بارش ہوئی تو پانی کے دباؤ سے بہاؤ سے ڈیم ٹوٹ گیا۔ اور اس میں موجود پانی وادی کے چاروں سمت پھیل گیا اور سارے مکانات اور باغات سیلاب کی نذر ہوگئے۔ صاحبِ معارف القرآن نے وہب بن منبہ کی روایت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ قوم سبا کی مذہبی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی موجود تھی کہ اس ڈیم کی تباہی چوہوں کے ذریعہ ہوگی۔ چناں چہ لوگوں نے جب ڈیم کے آس پاس چوہوں کو دیکھا تو اس خطرہ کو محسوس کرلیا اور اس سے تحفظ کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ ڈیم کے نیچے اور اس کے آس پاس ہر طرف بے شمار بلیاں پالی گئیں تاکہ چوہوں کو ڈیم کے قریب آنے نہ دیں اور انھیں لقمہ بنالیں۔ لیکن انسانی تدبیر تقدیرِ الٰہی کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آسکی۔ یہی چوہے بلیوں پر غالب آگئے اور چوہے فوج در

فوج ڈیم کی بنیادوں میں داخل ہوگئے اور جب بارش ہوئی تو چوہوں کی بلوں میں پانی گھس گیا اور ڈیم دیکھتے ہی دیکھتے زمیں بوس ہوگیا۔

قوم سبا سے متعلق کتاب وسنت کی تصریحات کے سوا بھی عربی، یونانی، ایرانی، روایتی اور تاریخی مواد موجود ہے۔ آثارِ قدیمہ کی جدید تحقیقات کے ذریعہ کچھ کتبات بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کی روشنی میں قوم سبا سے متعلق بعض نئی تحقیقات اور انکشافات ہوئی ہیں۔ عصر حاضر کی ایک معروف تفسیر تفہیم القرآن سے قوم سبا کا ایک مختصر جائزہ پیش ہے۔

بہت قدیم زمانہ سے دنیا میں عرب کی اس قوم کا شہرہ تھا 2500 سنہ قبل مسیح میں اُور کے کتبات میں اس کا ذکر سابوم کے نام سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد بابل اور آشور (اسیریا) کے کتبات میں اور اسی طرح بائیبل میں بھی کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے۔ یونان اور روم کے مؤرخین اور جغرافیہ نویس تھیوفراسٹس (288 سنہ قبل مسیح) کے وقت سے مسیح کے بعد کی کئی صدیوں تک مسلسل اس کا ذکر کرتے چلے گئے ہیں۔

اس کا وطن عرب کا جنوبی مغربی کونہ تھا جو آج یمن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا عروج کا دور گیارہ سو برس قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک دولتمند قوم کی حیثیت سے اس کا شہرہ آفاق میں پھیل چکا تھا۔ آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی۔ پھر جب اس کی ملکہ حضرت سلیمان (965 سنہ۔ 926 سنہ قبل مسیح) کے ہاتھ پر ایمان لائی تو اغلب یہ ہے کہ اس کی غالب اکثریت مسلمان ہوگئی تھی لیکن بعد میں نہ معلوم کس وقت اس کے اندر شرک و بُت پرستی کا زور ہوگیا۔

(۱) 650 سنہ قبل مسیح سے پہلے کا دور: اس زمانہ میں ملوک سبا کا لقب مکرب سبا تھا۔ اس زمانہ میں ان کا پایہ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مارب سے مغرب کی جانب ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں۔ اور خربیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بناء رکھی گئی اور وقتاً فوقتاً مختلف بادشاہوں نے اسے وسیع کیا۔

(۲) 650 سنہ قبل مسیح سے 115 قبل مسیح تک کا دور: اس دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لقب چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کیا۔ اس زمانہ میں ملوک سبا نے صرواح کو چھوڑ کر مارب کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اسے غیر معمولی ترقی دی۔ یہ مقام سمندر سے 3900 قدم کی بلندی پر صنعاء سے 60 میل جانب مشرق واقع ہے اور آج تک اس کے کھنڈرات شہادت دے رہے ہیں کہ یہ کبھی ایک بڑی متمدن قوم کا مرکز تھا۔

(۳) 115 قبل مسیح سے 200 سنہ عیسوی تک کا دور: اس زمانہ میں سبا کی مملکت پر حمیر کا قبیلہ غالب

ہوگیا، جو قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ تھا۔ اس دور میں مارب کو اجاڑ کر ریدان پایۂ تخت بنایا گیا جو قبیلہ حمیر کا مرکز تھا۔ بعد میں یہ شہر ظفار کے نام سے موسوم ہوا جو آج کل موجودہ شہر یریم کے قریب ایک مدوّر پہاڑی پر اس کے کھنڈر ملتے ہیں۔ اسی زمانہ میں سلطنت کے ایک حصّہ کی حیثیت سے پہلی مرتبہ لفظ یمنت اور یمنات کا استعمال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یمن اس پورے علاقہ کا نام ہوگیا جو عرب کے جنوبی مغربی کونے پر عسیر سے عدن تک اور باب المندب سے حضرموت تک واقع ہے۔ یہی دور ہے جس میں سبائیوں کا زوال شروع ہوا۔

(۴) 200ء کے بعد سے آغازِ اسلام تک کا دور: یہ قوم سبا کی تباہی کا دور ہے۔ اس دور میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں۔ بیرونی قوتوں کی مداخلتیں شروع ہوئی۔ تجارت برباد ہوئی۔ زراعت نے دم توڑ دیا اور آخر کار آزادی تک ختم ہوگئی۔ پہلے ریدانیوں، حمیریوں اور ہمدانیوں کی باہمی نزاعات سے فائدہ اٹھا کر 340ء سے 378ء تک یمن پر حبشیوں کا قبضہ رہا۔ پھر آزادی تو بحال ہوگئی مگر مارب کے مشہور بند میں رخنے پڑنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ آخر کار 451ء میں بند کے ٹوٹنے کی سے وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر سورۂ سبا کی آیات میں کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے بعد ابرہہ کے زمانہ تک اس بند کی مسلسل مرمتیں ہوتی رہیں۔ لیکن جو آبادی منتشر ہوچکی تھی وہ پھر جمع نہ ہوسکی اور نہ آب پاشی اور زراعت کا وہ نظام جو درہم برہم ہوچکا تھا، دوبارہ بحال ہوسکا۔ 523ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر وہ ظلم و ستم برپا کیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں اصحاب الاُخدود کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں حبش کی عیسائی سلطنت یمن پر انتقاماً حملہ آور ہوگئی اور اس نے سارا ملک فتح کرلیا۔ اس کے بعد یمن کے حبشی وائسرائے ابرہہ نے کعبہ شریف کی مرکزیت ختم کرنے اور عرب کے پورے مغربی علاقہ کو رومی حبشی اثر میں لانے کے لیے 570ء یا 571ء میں (نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چند روز قبل) مکۂ معظمہ پر حملہ کیا اور اس کی فوج پر وہ تباہی آئی جسے قرآن مجید میں اصحاب الفیل کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ آخر کار 575ء میں یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا۔ اور اس کا خاتمہ اس وقت ہوا، جب 628ء میں ایرانی گورنر باذان نے اسلام قبول کرلیا۔

قوم سبا کا عروج دراصل دو بنیادوں پر قائم تھا۔ ایک زراعت، دوسرے تجارت۔ ان کی سرزمین میں قدرتی دریا نہ تھے۔ بارش کے زمانے میں پہاڑوں سے برساتی نالے بہ نکلتے تھے انھیں نالوں پر سارے ملک جگہ جگہ بند باندھ کر انھوں نے تالاب بنا لیے تھے اور ان سے نہریں نکال نکال کر پورے ملک کو اس طرح سیراب کر دیا تھا کہ قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق ایک باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ اس نظام آب پاشی کا سب سے بڑا مخزنِ آب وہ تالاب تھا جو شہر مارب کے قریب کوہ بلق

کی درمیانی وادی پر بند باندھ کر تیار کیا گیا تھا۔ مگر جب اللہ کی عنایت ان سے پھر گئی تو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ عظیم الشان بند ٹوٹ گیا۔

تجارت کے لیے اس قوم کو خدا نے بہترین جغرافیائی مقام عطا کیا تھا جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہی قوم مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔ اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے۔ ایک بحری اور دوسرا بری۔ بحری تجارت کا اجارہ ہزار سال تک انہیں سبائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کیوں کہ بحر احمر کی موسمی ہواؤں زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کا راز یہی لوگ جانتے تھے۔ دوسری کوئی قوم اس خطرناک سمندر میں جہاز چلانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس بحری راستے سے قوم سبا کے لوگ اردن اور مصر کی بندرگاہوں تک اپنا مال پہنچایا کرتے تھے۔ بری راستے عدن اور حضرموت سے مارب پر جا کر ملتے تھے پھر وہاں سے ایک شاہراہ مکہ، جدہ، یثرب (مدینہ) العلاء، تبوک اور ایلہ سے گزرتی ہوئی پٹرا تک پہنچتی تھی اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسرا راستہ شام کی طرف جاتا تھا۔ اس بری راستے پر جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے، یمن سے حدود شام تک سبائیوں کی نوآبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب و روز ان کے تجارتی قافلے یہاں سے گزرتے رہتے تھے پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ زمانہ میں اس تجارت پر زوال آنا شروع ہو گیا مشرق وسطیٰ میں جب یونانیوں اور پھر رومیوں کی طاقتور سلطنتیں قائم ہوئیں تو مصر کے یونانی الاصل فرمانروا بطلیموس ثانی (285ء - 246 ق م) نے اس قدیم نہر کو پھر سے کھولا جو سترہ سو برس پہلے فرعون سیسوسترلیس نے دریائے نیل سے بحر احمر سے ملانے کے لیے کھدوائی تھی۔ پھر جب مصر پر روم کو قبضہ ہوا تو رومی زیادہ طاقتور تجارتی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اور رومیوں نے جگہ جگہ بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نوآبادیاں قائم کیں۔ بحری تجارت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد صرف بری تجارت سبائیوں کے پاس رہ گئی تھی مگر بہت سے اسباب نے رفتہ رفتہ اس کی کمر بھی توڑ دی۔

حاصل کلام! قرآن کریم کی آیتوں کے مختلف اور متعدد پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کی قوموں کے حالات کہیں اجمالی ہیں تو کہیں تفصیلی ہیں۔ اگر ان اقوام عالم کا تجزیہ اور مطالعہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں کیا جائے تو بے شمار مستور حقائق کا مشاہدہ ہوگا۔ جس سے قرآن کریم کی صداقت و حقانیت کا ایک اور پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہوگا۔ قرآن کریم میں سبائیوں کے اجمالی بیان کی تفصیل جدید تحقیقات اور انکشافات کی روشنی بخوبی ہو رہی ہے۔ ان تفصیلات اور حقائق کے مطالعہ سے ہمیں عبرت خیز پیغام یہ مل رہا ہے کہ تعمیر و ترقی اور خوشحالی و معاشی آسودگی کے ساتھ ایمان و تقویٰ اور شکر گزاری ہی سلامتی کی راہ ہے اور جب بھی کوئی قوم اس روش سے ہٹ جائے تو اس کے حق میں بھی اسی قانون کا نفاذ ہوگا، جو کبھی سبائیوں پر نافذ کیا گیا۔ اللّٰھم احفظنا بہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جواہر الحدیث

افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی : استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

اسلام میں نکاح کو دین کے نصف حصہ کی تکمیل کہا گیا ہے۔ اس کے بغیر ایک مسلمان کی اسلامی زندگی نہ صرف ادھوری اور نا تمام ہے بلکہ منہاجِ نبوی سے ہٹی ہوی ہے ۔ نکاح ایک ایسا معاہدہ اور عقد ہے، جس کی وجہ سے ایک مرد کو عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کا جواز اور حق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ حق حاصل ہونے کے بعد شوہر پر لازم ہے کہ مہر کے نام سے اپنی بیوی کو قابلِ استفادہ چیز عطا کرے ۔ صحیح البخاری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف عقبہ بن عامر سے منقول ہے : احق ما او فیتم من شروط ان توفوا بہ ما استحللم بہ الفروج : تمام معاہدوں اور شرطوں میں سب سے بڑا معاہدہ اور سب سے بڑی شرط جس کو لازمی طور پر تمہیں پورا کرنا ہے وہ عورتوں کا مہر ہے۔ اسی کی بناء پر تم نے عورتوں کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال کر لیا ہے ۔

مسندِ احمد میں ایک حدیث ہے، جو اس سے بڑھ کر تاکید و تنبیہ اور تہدید کا پہلو لیے ہوے ہے ۔ جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا نہ کرے یا مہر ادا نہ کرنے کی نیت کرے تو وہ زانی ہے ۔

قرآنِ کریم میں صاف لفظوں میں شوہروں کو ہدایت دی گئی ہے کہ مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو اور اگر تم نے اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہو اور مہر بھی طے شدہ ہو تو ایسی صورت میں نصف مہر ادا کرو اور اگر پورا مہر ادا کرو تو یہ تمہاری خوش اخلاقی و فیاضی اور پاکیزگی کی نشانی ہے ۔ واٰتوا النسآء صدقتھن نحلۃ (النساء) وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب للتقوی ۔ (البقرۃ)

فقہا نے صراحت کی ہے کہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ ہوگئی یا زوجین میں سے کوئی

انتقال کر گیا تو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔ یعنی عورت کے خاندان کی اس جیسی (مثلاً عمر، جمال، علم و ادب، کنوارہ پن، مال میں مشابہ وغیرہ) عورت کا جو مہر ہو وہی مہر شوہر کو ادا کرنا ہوگا اور عورت کی بہن، پھوپھی، چچا کی بیٹی وغیرہ کا جو مہر ہے وہی مہر مقرر ہوگا اور خلوت صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ دولھا دلہن ایک کمرہ میں جمع ہوں، جہاں جنسی تعلق قائم کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو تو یہ خلوت جماع ہی کے حکم میں ہے۔ جنسی تعلق قائم ہونے میں جو چیز مانع ہوتی ہے وہ کبھی حسّی ہوا کرتی ہے جیسے مرض۔ شوہر یا بیوی بیمار ہے۔ اور کبھی یہ مانع چیز طبعی ہوا کرتی ہے۔ جیسے اس کمرہ میں کوئی تیسرا موجود ہے اور کبھی یہ مانع چیز شرعی ہوا کرتی ہے۔ جیسے عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہے۔

مہر عورت کا ایک ایسا حق ہے جس کی ادائیگی کو نکاح کے سارے امور و معاملات اور متعلقات میں سب سے مقدم رکھنا چاہیے۔ اس معاملہ میں نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص نکاح کی بات کرتا تو آپؐ سب سے پہلے مہر کی بات فرماتے اور مہر مقرر فرماتے تھے۔ چناں چہ امام ترمذی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک صحابی نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک خاتون سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے پوچھا: **ھل عندك من شیئ تصدقھا** تمہارے نزدیک مہر دینے کے لیے کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: **ماعندی الا ازاری**: میرے پاس بدن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا: التمس ولو خاتما من حدید: جاؤ لوہے کی ایک انگوٹھی سہی، اس کا انتظام کرو۔ لیکن اس شخص سے یہ بھی نہ ہو سکا اور وہ مایوس ہو گیا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو حکم دیا کہ تم عورت کو چند سورتوں کی تعلیم دو۔ یہی مہر ہے۔

اس حدیث سے دو تین پہلو روشن ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح میں مہر ایک لازمی شئی ہے۔ دوسرا یہ کہ نکاح کرنے والے شخص کی مالی طاقت کو سامنے رکھتے ہوئے مہر مقرر کرنا چاہیے اور نکاح سے پہلے یا نکاح کے ساتھ ادا کر دینا چاہیے۔ اس کے برعکس زوجین کے خاندان کے اکابر کا مہر یا جماعت و پنچایت کی جانب سے طے شدہ مہر یا رسم و عادت کی بنیاد پر مقرر ہونے والا مہر یا مہر کی ادائیگی میں لیت و لعل اور غیر معمولی تاخیر وغیرہ یہ ساری صورتیں نبوئی طرز عمل سے میل نہیں کھاتیں۔ مہر میں لوہے کی انگوٹھی کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ نکاح میں مہر ضرور ادا کرنا ہے اور مہر کی رقم معمولی سے معمولی بھی ہو سکتی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ ایک مفلوک الحال شخص بھی جائز طریقہ سے جنسی فائدہ حاصل کر سکے اور وہ بدکاری سے محفوظ رہ سکے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں فزارہ خاندان کی ایک خاتون کے نکاح کا ذکر ہے، جس نے اپنے مہر میں صرف جوتیوں کو قبول کر لیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے پوچھا: کیا تم اس مہر پر راضی ہو؟ تو جواب

ہاں میں ملا ۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اجازت دے دی ۔ ارضیت من نفسك ومالك بنعلین قالت نعم قال فاجازه ۔ (ترمذی)

سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نکاح کی ترغیب دلائی ۔ اس وقت یہ بھی کہا : عورت کا مہر ضرور ادا کرو بھلے سے وہ لوہے کی انگوٹھی سہی ۔ تزوج ولو بخاتم من حدید ۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منکوحہ عورت کے مہر کو اس قدر تحفظ دیا ہے کہ خلوت صحیحہ کے بعد عورت دائرۂ اسلام سے نکل جائے تب بھی وہ اپنے پورے مہر کی حق دار ہے اور شوہر پر لازم ہے کہ اس کی زوجیت سے خارج شدہ غیر مسلم بیوی کو پورا مہر ادا کرے ۔ .... زوجین کے درمیان پیش آنے والا ایک انتہائی ناخوشگوار اور قابلِ نفرین واقعہ، جس کے بعد زن و شو کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے، وہ لعان ہے ۔ اس صورت حال میں بھی عورت کا مہر محفوظ رہ جاتا ہے ۔ جیسا کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے ۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے کہ ملاعنت کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمہارا حساب اب اللہ کے ذمہ ہے ۔ تم میں سے ہر حال ایک ضرور جھوٹا ہے ۔ پھر آپؐ نے مرد سے فرمایا : لا سبیل لك علیها (یعنی اب یہ تیری نہیں رہی ۔ نہ تو اس پر کوئی حق جتا سکتا ہے، نہ کسی قسم کی دست درازی یا دوسری منتقمانہ حرکت اس کے خلاف کرنے کا مجاز ہے) مرد نے کہا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرا مال ؟ (یعنے وہ مہر مجھے دلوائیے جو میں نے اس خاتون کو دیا تھا) ارشاد فرمایا : لا مال لك ! ان کنت صدقت علیها فهو بما استحللت من فرجها وان کنت کذبت علیها فذاك ابعد وابعد لك منها ۔ یعنی مال (مہر) تجھے واپس لینے کا کوئی حق نہیں ہے اگر تُو نے اس پر سچّا الزام لگایا ہے تو وہ مال اس لذت کا بدل ہے جو تُو نے حلال کر کے اس سے اٹھائی اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی زیادہ دُور چلا گیا ۔ وہ اس کی بہ نسبت تجھ سے دور ہے ۔ (تفہیم القرآن)

مذکورہ احادیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ عورت کا مہر ادا کرنا ضروری ہے اور وہ کسی حال میں ساقط نہیں ہو سکتا الا یہ کہ عورت ہی اپنے اس حق سے دست بردار ہو جائے ۔ اور مہر میں ایک معمولی چیز بھی دی جا سکتی ہے جو ثمن کی صلاحیت رکھتی ہے اور دین کی تعلیم و تربیت کو بھی مہر قرار دیا جا سکتا ہے ۔ چناں چہ تعلیم کو مہر قرار دینے کا مسئلہ ائمۂ اربعہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے : ان لم یکن شئی یصدقها فتزوجها علی سورة من القرآن فالنکاح جائز یعلمها سورة من القرآن ؛

اہلِ علم کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہیے۔ تکثیر کے معاملہ میں کوئی حد متعین نہیں ہے۔ البتہ تقلیل کی حد متعین ہے۔ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان علیہ الرحمہ نے مہر کی تعین اور تحدید میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ 'درمختار' میں مذکور ہے۔ لا مھر اقل من عشرۃ دراھم۔

امام مالک رح کی رائے یہ ہے کہ مہر چار درہم سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ لا یکون المھر اقل من ربع دینار۔

امام احمد بن حنبل رح کا فتویٰ یہ ہے کہ مہر میں تقلیل اور تکثیر کی کیا بات ہے یہ مسئلہ تو باہمی رضامندی کے ذریعہ حل کرلیا جائے۔ المھر علی ماتراضوا علیہ۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے کہ جو چیز ثمن کی صلاحیت رکھتی ہے وہ مہر میں دی جاسکتی ہے خواہ وہ درہم سے بھی کم کیوں نہ ہو۔ کل ما یصلح ثمناً یصلح مھرا سواء کان عشرہ درھم او اقل منھا۔

مہر میں کمی وزیادتی اور تقلیل و تکثیر ایک ناگزیر صورت حال ہے جس میں ایک عمومی مقدار اور حد متعین ہو نہیں سکتی کیوں کہ نکاح کرنے والے شخص کی مالی حالت اور باہمی رضامندی کے باعث یہ تفاوت ہوتا ہی رہے گا۔ چناں چہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رض کے مہر اور آپ کی صاحب زادیوں کے مہر اور مختلف صحابۂ کرام رض کی بیویوں کے مہر میں یکسانیت نہ تھی۔ چناں چہ درج ذیل احادیث سے یہ فرق پوری طرح نمایاں ہوسکتا ہے۔

عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن انہ قال سالت عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کم کان صداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان صداق لازواجہ ثنتی عشرۃ اُوقیہ۔ (مسلم)

ابوسلمہ رض نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر کتنا تھا؟ جواب دیا آپ کی بیویوں کا مہر بارہ اوقیہ تھا۔ (ایک اوقیہ = ساڑھے دس تولہ: چالیس درہم)

عن ابی العجفاء قال عمر ابن الخطاب الا لا تغالوا صدقۃ النسآء فانھا لو کانت مکرمۃ فی الدنیا او تقوی عند اللہ لکان اولا کم بھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم ما علمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نکح من نسائہ ولا انکح بناتہ علی اکثر من عشرۃ اوقیہ ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگو! عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے پرہیز کرو بھلے کوئی خاتون دنیاوی اعتبار سے معزز و مکرم اور عنداللہ متقی و پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ میں تمہارے لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی بہترین نمونہ ہے۔ آپ نے اپنی بیویوں اور صاحب زادیوں کا مہر بارہ اوقیہ سے بڑھ کر نہیں باندھا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی امرأۃ من الانصار فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل نظرت الیھا فان فی عیون الانصار شیأ قال قد نظرت الیھا قال علی کم تزوجتھا۔ قال علی اربع اواق۔ (مسلم)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کرلی ہے۔ آپؐ نے اس آدمی سے پوچھا: کیا تم نے نکاح سے پہلے عورت کو دیکھ لیا تھا۔ کیوں کہ قبیلہ انصار کی لڑکیوں کی آنکھوں میں ایک چیز ہے۔ اس نے جواب دیا: ہاں میں نے خاتون کو نکاح سے پہلے دیکھ لیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: مہر کتنا طے پایا؟ کہا: چار اوقیہ۔

عن عبدالرحمن بن عوف تزوج امراۃ علی وزن نواۃ من ذھب۔ (مسلم)

عبدالرحمن بن عوف نے مہر میں سونے کے ایک ہلکے اور معمولی سے ٹکڑے پر ایک عورت سے شادی کرلی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ یہ سوچا تھا کہ عورتوں کے مہر میں کثیر رقم باندھنے کے طریقہ میں اعتدال اور توازن پیدا کیا جائے۔ لیکن اس پر ایک خاتون کی تنقید سے انھوں نے اپنی سوچ بدل لی۔ خاتون کا کہنا یہ تھا کہ خدا تو یہ کہہ رہا ہے، تم اپنی بیویوں کو ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا: واتیتم احدھن قنطارا فلاتاخذوا منہ شیأ۔

اس آیتِ کریمہ کا تعلق مہر میں تعین اور تحدید سے کہیں زیادہ طلاق کے بعد کی صورت حال سے ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ عرب سوسائٹی میں بعض مردوں کو بیویاں ناپسند ہوجاتیں تو ان کو زوجیت کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے اور طلاق بھی نہیں دیتے تاکہ وہ مجبور ہو کر مہر، زیور اور دیگر اسباب کے عوض گلوخلاصی کرسکیں۔ اس لیے قرآن کریم نے یہ ہدایت دی کہ مہر، زیور، کپڑے اور دیگر زینت کے اسباب وغیرہ جو تم اپنی بیویوں کو دے چکے ہو، طلاق کے بعد ان چیزوں کی واپسی کا مطالبہ نہ کرو بلکہ انسانیت اور شرافت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ انھیں کچھ دے کر رخصت کرو۔

مہر کے مسئلہ میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نکاح کرنے والے کی جانب سے اگر دوسرا شخص مہر ادا کرے تو یہ بھی ایک مستحسن صورت ہے۔ جیسا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور الفت ومحبت کے باعث ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم ادا کیا تھا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں نکاح کی بات چیت کے وقت ہی مہر کا مسئلہ بھی زیر بحث آجاتا اور نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت مہر ادا کر دیا جاتا تھا اور اگر کسی شخص کے پاس مہر ادا کرنے کی طاقت نہ ہوتی تو آپ صحابہ کرامؓ کو ترغیب و تشویق دلا کر مہر کا بندوبست فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح عہد نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں بھی نکاح سے پہلے یا نکاح کے ساتھ مہر ادا کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ اسی طرزِ عمل کو فقہائے کرام نے مہر معجل کا نام دیا ہے۔ یعنی خلوتِ صحیحہ سے پہلے مہر دے دینا۔ مہر کی ایک دوسری صورت بھی ہے جس کو مہر مؤجل کہا جاتا ہے۔ یہ صورت اس لیے مشروع ہے کہ نکاح کرنے والا شخص خلوت سے پہلے مہر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھ سکتا ہو تو اس کی ادائیگی کے لیے معیاد مقرر کر لی جاے۔ گویا یہ ادھار مہر ہے۔ اسی لیے فقہاء نے مہر کو دین میں شامل کیا ہے۔ لغت میں دین اس قرض کو کہتے ہیں جس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر ہو۔ جیسے فلاں سال، فلاں مہینہ فلاں روز یہ روپیہ ادا کیا جاے گا۔ اگر شوہر نے بیوی کا مہر ادا نہیں کیا اور دُنیا سے چل بسا تو ایسی صورت میں بیوی کا مہر بھی دوسرے قرضوں کی طرح وہ بھی ایک قرض ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر مرحوم شوہر کے ترکہ میں اتنا مال ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہ جاتا ہے تو پورا مال عورت کو مہر میں دے دیا جائے گا۔ اور کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا۔ دین مہر ادا کرنے کے بعد ترکہ میں مال بچ جاے تو عورت مہر لینے کے بعد دوسرے وارثوں کے ساتھ اپنی میراث کا حصہ بھی پائے گی۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی مہر اہلِ عرب کے نزدیک عورت کا ایک معروف اور مسلّم حق تھا، لیکن وہ اپنے اس حق کے پانے میں عاجز اور مظلوم تھی۔ چناں چہ شوہر اپنی بیویوں کو مہر ہی نہیں دیتے تھے۔ اور اگر دیتے بھی تو بددلی و بیزاری اور کمی کے ساتھ دیا کرتے تھے اور اپنی بالادستی کے بل بوتے عورت کو مہر معاف کرنے پر مجبور کرتے تھے اور عورت بھی اپنی زبردستی کے باعث بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی تھی اور مہر کے معاملہ میں ایک اور بے غیرتی اور بے شرمی کی بات یہ تھی کہ لڑکیوں کے سرپرست ان کے شوہروں سے مہر وصول کر لیتے تھے اور لڑکیوں کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ اسلام نے عورت پر ہونے والے سارے مظالم کا انسداد کیا۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝ (النساء)

عورتوں کا مہر خوش دلی سے ادا کرو اور اگر وہ خوشی سے اپنا مہر معاف کر دیں تو تم مہر کی رقم کھا سکتے ہو۔

دختران ملّت کا یہ بڑا عجیب و غریب المیہ ہے کہ وہ اسلام کے زیرِ سایہ رہتے ہوے بھی مہر کے معاملہ میں ظلم و ستم کا شکار رہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں مہر مؤجل کی عادت چل پڑی ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ مجلسِ نکاح میں ایجاب و قبول

کے وقت مقدارِ مہر کی بھی صراحت ہوتی ہے۔ لیکن مہر ادا کرنے کی میعاد مقرر نہیں کی جاتی۔ حالاں کہ مہر مؤجل کہتے ہیں۔ اسی کو جس کے لیے میعاد مقرر ہو اور یہ بھی عجب تماشہ ہے کہ مہرِ مؤجل اپنے دامن میں اتنا وقت سمیٹ لیتا ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد ہی مہر کا مسئلہ کھڑا ہوتا ہے۔ یا پھر طلاق کی صورت میں مہر کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔ مہر کی ادائیگی کے مسئلہ میں ایک اور افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد جب اس کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے اس وقت بیوہ سے کہا جاتا ہے تم اپنا مہر معاف کر دو ورنہ تمہارے شوہر کی مغفرت نہ ہوگی۔ عدم مغفرت کی بات قرض ہونے کی رو سے تو صحیح ہے لیکن ایک غمزدہ خاتون کا مہر ہی ایک ایسا قرض رہ گیا ہے جس کی معافی کے لیے تلقین کی جائے۔ اس موقعہ پر دیگر قرض خواہوں سے معاف کرنے کی مہم کیوں نہیں چلائی جاتی۔ ایں چہ بوالعجبی است!

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہم نے شادی بیاہ میں غیر اقوام کے رسم و رواج اور عادات و افعال کو بڑی حد تک قبول کر لیا ہے اور آج ہمیں یہ سوچنے کی ہدایت بھی نہیں ہو رہی ہے کہ ہم جن کاموں کو انجام دے رہے ہیں آیا وہ اسلام سے ہم آہنگ ہیں بھی یا نہیں؟

موجودہ زمانے میں شادی بیاہ کے لیے خوب صورت بیش قیمت شادی گھروں کا انتخاب وران میں سامان زیبائش کی کثرت، بہتات ضیافت میں انواع و اقسام کی چیزوں کا اہتمام اور دلہن کے جمال کی آرائش اور صرف ایک روزہ عروسی پوشاک کے لیے ہزاروں روپیہ کا صرفہ اور متعدد ضیافتوں اور مختلف رسومات کی ادائیگی اور لاکھوں روپیوں کے زیورات اور مختلف و متنوع قیمتی اسباب جہیز اور نقد روپیوں کا مطالبہ وغیرہ لازمی چیزیں بن گئی ہیں۔ آج ان گنت دخترانِ امّت نکاح کے بغیر اپنے گھروں میں بیٹھی ہوی ہیں کیوں کہ ان کے والدین کے پاس موجودہ زمانہ کے مزاج اور معیار کے مطابق اپنی بچّیوں کی شادیاں کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ کیا اس صورتِ حال کے مشاہدہ کے بعد بھی کوئی صاحبِ دولت اور ذی ثروت آدمی اپنی پونجی اور سرمایہ کو اس طرح صرف کر سکتا ہے جس طرح آج خرچ ہو رہی ہے، جب کہ اللہ نے اس کے مال میں دوسروں کا حق بھی رکھا ہے اور وہ ایک ایک پائی کا حساب اللہ کے سامنے پیش کرنے کا پابند ہے۔ • وما علینا الا البلاغ •

فتویٰ

موجودہ شمارہ میں ۲ دو مسئلوں سے متعلق فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے۔ ایک شوہر لاپتہ ہونے کی صورت میں عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنے کی شرعی صورت کیا ہے؟
دوسرا شوہر انتقال کر گیا ہے اور وہ اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو کیا ایسی صورت میں ترکہ پانے والے افراد پر مہر ادا کرنا ضروری ہے؟
مہر اور مفقود الخبر کا مسئلہ ہمارے معاشرہ میں بڑی الجھنیں پیدا کئے ہوئے ہے۔ لاپتہ اور بیوی کا حق ادا نہ کرنے والے شوہر سے عورت کو چھٹکارا دلانے میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ تاکہ اسے جنسی آسودگی اور معاشی اطمینان ہو سکے اور بوقت نکاح ہی مہر ادا ہو جانا چاہئے۔ مہر مؤجل کا یہ مفہوم تو نہیں ہے کہ شوہر کی موت یا طلاق کے بعد ہی عورت کو مہر دیا جائے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

ادارہ

سوال
شوہر فوت ہونے کے بعد مہر کی ادائیگی کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرحِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عبد الرحمٰن نامی انتقال کئے۔ اون کے وارث ایک عورت، ایک بیٹی، ماں، باپ دو بھائی ایک بہن ہیں۔ عبد الرحمٰن اور اون کے بھائی سب والد کی پرورش میں ہی رہے۔ سب یکساں گذران کرتے تھے۔

عبد الرحمٰن کی کوئی خاص ملک نہیں۔ اس صورت میں عورت کا مہر کون دینا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

مُہر
دارالافتاء اللطیفیہ
ویلور ۱۳۲۸ھ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

بصورتِ صدقِ بیان مستفتی عورت کا مہر دینا کسی پر واجب نہیں ۔ البتہ اگر عبدالرحمٰن کا باپ مہر کا ضامن ہو گیا ہے تو اوس کے مال سے دلایا جائے گا ۔ عبدالرحمٰن کی اگر کوئی خاص ملک ثابت ہو تو اوس ملک سے مہر اور حصہ بھی ملے گا ۔ کذا فی الکتب

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ، محمد عبدالحمید برنجپوری عفی عنہ (دستخط)

ہذا الجواب صحیح — مہر محی الدین سید عبداللطیف قادری ۱۳۲۵ھ
الجواب صحیح — محمد محی الدین عفی عنہ (دستخط)
الجواب صحیح — عبدالصمد عفی عنہ (دستخط)
اصاب الجواب — احمد کویا ملیباری عفی عنہ الباری (دستخط)
الجواب صحیح — سید حیدر ولی اللہ قادری عفی عنہ (دستخط)
الجواب صحیح — سید احمد حسینی عفی عنہ (دستخط)
دستخط محی الدین سید عبداللطیف قادری عفا اللہ عزوجل
الجواب صحیح — محمد عبدالقادر عفی عنہ (دستخط)

سوال
شوہر لاپتہ ہونے کی صورت میں عورت کے نکاح کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس صورت میں کہ ایک شخص شمار سات برس سے مفقود الخبر ہے بیچاری اس کی عورت نان ونفقہ کو بالکل تصدیع پاتی ہے اور دوسرے کسی سے نکاح ہو جانے کی خواہش بھی رکھتی ہے تو اب اس کی کیوں کر صورت ہے اور دوسرے سے نکاح جائز ہے یا نہ بینوا توجروا

الجواب

حامداً مصلیاً ومسلماً

اس مسئلہ میں ائمہ رحمہم اللہ تعالےٰ کا اختلاف ہے ۔ چون کہ ضرورت کی وجہ سے علمائے احناف مذہبِ امام شافعیؒ ومالکیؒ پر عمل جائز رکھے ہیں ۔ اس کی صورت یہ ہے قاضی شافعی یا حنفی قاضی کے نزدیک یہ

واقع پیش کیا جاے اور قاضی اس مفقود اور اس کے عورت کے درمیان تفریق کردیوے۔ اس حکم کے بعد وہ عورت موت کی عدت یعنے چار ماہ دس روز پوری کرے۔ اس وقت دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا۔ وقال مالک والشافعی فی قول اذا مضے اربع سنین یفرق القاضی بینہما ان طلبت ثم عدۃ الوفاۃ فلہا التزوج بزوج آخرالی واللہ اعلم الصواب

مہر

ہذا الجواب صحیح
۱۳ ھ ۲۵
محی الدین سید
عبداللطیف قادر

محررہ
(دستخط) العبد الآثم ابوالمکارم سید محمد مجید الدین عفا المتین
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

الجواب صحیح

دستخط: محی الدین سید عبداللطیف قادری عفا اللہ عنہ
(دستخط) محمد محی الدین عفی عنہ

نعت شریف

★ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی

عشقِ رسولؐ ہو نہ تو جینا فضول ہے
جینا اسی کا ہے جسے عشقِ رسولؐ ہے

روشن ہیں مہر و ماہ ضیائے رسولؐ سے
یہ کہکشاں بھی نعلِ مُبارک کی دھول ہے

انسانیت کی جس سے ہے دارین میں فلاح
وہ اُسوۂ مُبارکِ ذاتِ رسُول ہے

کیا پوچھتے ہو کیا ہے چمن اہلِ بیتؓ کا
اس باغ کا جو پھول ہے جنّت کا پھول ہے

مومن نے حق کو دیکھا جو دیکھا رسُولؐ کو
دیدارِ حق جہاں میں دیدِ رسُول ہے

حسرت ہے پھر میں دیکھ لوں حضرتؐ کو خواب میں
محرومِ دید ہوں میں تو خاطر ملول ہے

غالب جہاں میں دورِ جہالت ہوا ہے پھر
انصاف ہے نہ عدل کا کوئی اصول ہے

اب بھی ہے راہِ صلح و سلامت کھلی ہوی
لیکن ستم گروں کو کہاں یہ قبول ہے

دُنیا کو دے دے عدل و مساوات کا سبق
ایسا کوئی فدائے اصولِ رسُول ہے

اعمال معتبر ہیں جو ایمان ہو معتبر
ایمان معتبر ہے جو حُبِّ رسُول ہے

اشرفؔ کو ہے نبیؐ کی شفاعت کا آسرا
اعمال پر بھروسہ تو بندے کی بھول ہے

حضرت قطب ویلور

مجددِ جنوب حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ نے اپنے مریدین و معتقدین اور تلامذہ و خلفاء کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمایا ہے، جن میں کئی ایک موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ بعض مکتوبات کا ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے۔

ترجمہ و تلخیص افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے، پی، ایچ ڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب بنام مشیخت پناہ خواجہ پاشاہ صاحب تریا توری

سلام مسنون کے بعد! خاطر صفا پر واضح ہو کہ ویلور لوٹنے کے بعد یہاں کے لوگوں کی زبانی اور بار امحل کے لوگوں سے کتاب "نصیحۃ المسلمین" اور اس کتاب کے حامیوں سے متعلق وانمباڑی کے لوگوں کے درمیان اختلاف و فساد اور نا اتفاقی و ناچاقی کی خبریں مسلسل اور متواتر مل رہی ہیں۔

آں جناب سے تو یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو شریعت میں ممنوع ہے، اس کی اشاعت کرنا اور کسی مسلمان کو رسوا اور بدنام کرنا جائز نہیں ہے تو پھر ایسی صورت میں صرف کسی شخص کا نام خورم علی سن کر اس کے بارے میں شیعہ ہونے کا گمان کرنا اور اسے بدنام اور متہم کرنا وانمباڑی کے لوگوں کے لیے کیوں کر درست ہوگا۔ یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ٥ اہل ایمان کو ظن و گمان سے بچنا چاہیے۔ بعض گمان تو گناہ ہیں

نصیحۃ المسلمین سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کو کارخانۂ خداوندی میں شرکت نہیں ہے۔ اس بات سے ولایت کا انکار لازم نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء اللہ کا عدم تقرب ثابت نہیں ہوتا۔ شیخ جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں[۹]:

فی المثل گر جہانیان خواہند	کہ سر موئے از جہاں کاہند
ور ہمہ در مقام آں آیند	کہ بداں ذرہ بیفزایند
ندہد ارادتے او سود	نتوانند ذرہ افزود

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ علیکم بظن الخیر (تم پر فرض ہے کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھیں) کی حدیث سے ہر کسی کے ساتھ جہاں تک ہوسکے نیک گمان اور حسن ظن سے کام لیں۔ قائل کے قول کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھیں اور شرع سے مطابقت اور موافقت کی کوشش کریں۔ اگر شرع شریف کے موافق نہ ہو تو قائل سے قول کی وضاحت طلب کریں۔ اور اگر وضاحت کے بعد بھی تطبیق کی صورت نظر نہ آئے اور قائل کا قول مخالف شرع ٹھہر جائے تو اپنائیت اور ملائمت اور خوش اسلوبی و خیر خواہی اور نیک نیتی کے ساتھ قائل کو راہ حق پر لانے کی کوشش کریں۔ اس کے برعکس صرف احتمال و امکان اور عدم تیقن کی بنیاد پر بحث و مباحثہ، لڑائی جھگڑا اور فتنہ و فساد کا ماحول پیدا کرنا اور کسی مسلمان پر تہمت باندھنا اور اُسے بدنام کرنا یہ اسلامی شعار نہیں ہے۔ وانمباڑی کے لوگوں کو ایسے افعال کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔

لوگ اس فتنہ کو آں مخدوم کی جانب نسبت کر رہے ہیں۔ یہ فقیر آں جناب کے مزاج و طبیعت سے واقف رہنے کی وجہ سے اور آں مکرم کے عالی مرتبت خاندان کی وجہ سے اس نسبت کو بالکل غلط اور جھوٹی تہمت خیال کر رہا ہے۔

محمد ابراہیم نیک نہاد اور مرد دانا ہیں ان کے ذریعہ یہ مکتوب ارسال کر رہا ہوں اور پُر امید ہوں کہ آں جناب ان کو اپنے ہمراہ لے کر اس فساد کی بیخ کنی کریں گے اور اس فتنہ کی آگ کو بجھا دیں گے واللہ یقول الحق ویھدی السبیل اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور حق کی ہدایت دیتا ہے۔ اصل کام تو یہی ہے۔ باقی سب ہیچ اور فضول ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں میرا دل آپ کے پاس ہے۔ آپ پر سلامتی ہو اور رشد و ہدایت کا دور طویل ہو۔

مکتوب بنام استاذ بزرگوار سراج العلماء حضرت مولانا محمد سعید اسلمی مدراسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاگرد کم ترین محی الدین عفی عنہ تو وہی مسکین محی الدین قدیم ہے، جو آں مکرم کے آستانۂ فضیلت پر علوم و فنوں کی

دریوزہ گری کرتا رہا۔

کرازسرہ آنکہ از بیم او کشاید زبان جز بہ تسلیم او

اس شخص کے سامنے زبان کھولنے کی جراُت بھلا کیوں کر ہو سکتی ہے جس کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا زبان کھُل ہی نہیں سکتی بعض اعزہ و اقارب کی منت و سماجت کی وجہ سے یہ جراُت کر رہا ہوں کہ سید محمد میر صاحب برہان پوری جو مولوی شجاع الدین صاحب حیدرآبادی کے برادر زادے ہیں، حافظِ قرآن اور قاری فرقان ہیں تحصیلِ علم میں قطبی اور میر زاہد تک پہنچے ہیں۔ اس نیازمند کے مکان میں تین ماہ تک مقیم رہے ہیں۔ ضلع بارامحل میں مختلف تہمتوں میں مبتلا ہیں۔ جو ایک مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتیں۔ اس علاقہ کی سرگزشت بیان کرنے میں غیبت کا اندیشہ مانع ہے۔ سُنا گیا ہے کہ قاضی کے روبرو پہنچ کر اُن کے مزاج کو اُن سے بدظن کیا گیا ہے۔ اس سبب سے سید محمد غریب الدیار قدرے دل برداشتہ ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں گے جس سے ان کے دل کا زخم دُور ہو جائے اور دونوں جانب کے حالات کی تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی بھی الزام کو قبول نہ کریں گے۔

زیر قدمت ہزار جان است۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ مزید طوالت گستاخی ہوگی۔

مکتوب بنام شرف الملک بہادر خان فرزند کلاں مولوی محمد غوث خان مرحوم مدراسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد! خدمتِ شریف میں عرض ہے کہ یہاں کے علماء و صوفیاء کے احوال و کوائف لائق حمد باری اور قابل شکر باری ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے آن جناب کی صحت و عافیت اور خوبی و سلامتی کا خواہاں ہوں۔

اس مسکین مشتاق کے نام آن محترم کا تحریر کردہ مراسلہ باصرہ نواز ہوا اور اسی کے ساتھ حاجی ابوالحسن خان صاحب جعفری کے نام لکھا ہوا مکتوب اور آبِ زمزم کا ڈبہ اور بلسان کی شاخیں اور اس کے بیج وغیرہ دستیاب ہوئے۔

فقیر مراسلہ کے مضمون سے مطلع ہوا۔ ان شاء اللہ آن مخدوم کی ایما کے مطابق خان ممدوح کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔

یہ مسکین آن جناب کے وجود شریف کو موجودہ زمانہ میں اسلام کی رونق اور امّت کے لیے پناہ خیال کرتا ہے۔ مجھے اپنوں کو بھول جانے والا نہ سمجھیں۔ المرء مع من احبہ۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔ میں تو آپ

ہی کا مشتاق ہوں اور میرے اس اشتیاق میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ یہ تعلق قیامت میں بھی قائم ہوگا: ؎

انا المشتاق یزداد اشتیاقی الی یوم التلاق الی التلاق

مکتوب بنام صفدر جنگ معتبر خان بہادر جاگیر دار رنجن گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام سنتِ خیر البشر کے بعد! خاطر شریف پر ظاہر ہو کہ آں محترم کا صحیفۂ شریفہ جو کمالِ التفات و اخلاص کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، باصرہ نواز ہوا۔ بڑی مسرت اس بات پر ہوئی کہ گرامی نامہ درویشوں کے ساتھ آپ کی محبت و الفت اور ربط و تعلق کی غمازی کر رہا تھا۔ اور اس جلیل القدر طائفہ کے ارشادات کو سننے کی خواہش و رغبت کو ظاہر کر رہا تھا اور اس طبقہ کے طریقوں اور عادتوں سے آپ کے انس و میلان کی نشان دہی کر رہا تھا اور یہ ساری چیزیں اللہ تعالےٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو آپ کو حاصل ہوئی ہیں: ایں کار دولت است اکنون تا کرا رسد

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے: المرء مع من احبہ: آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے۔ لہٰذا اہل اللہ کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنے والے کا حشر بھی ان ہی بزرگوں کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ حریم قرب کے حرم میں ندیم اور ہم نشین ہوگا۔

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو اور سارے مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ہم دُنیا کی لذتوں اور تعلقات گوناگوں اور چرب و شیریں اور منقش و رنگین کپڑوں اور جاہ و منصب اور عزت و رفعت کی طلب وغیرہ سے جو فانی ہیں فریب نہ کھائیں اور اللہ تعالےٰ کی محبت کی بُو سے اپنے مشام جاں کو معطر کریں جو زوال آشنا نہیں ہے اور ہم ہمیشہ موت کی یاد اور آخرت کے احوال کو اپنے پیش نظر رکھیں یہی کام اصل ہے اور باقی سب ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آں عالی مرتبت کو مرد آخرت بنادے اور آپ کی دنیاوی نعمتوں میں اخروی نعمتوں کو ضم کردے اور وہی چیز آپ کے سامنے لائے جس میں خیر ہے اور آپ کو تمام ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی نعمتوں سے سرفراز کرے: انہ قریب مجیب۔

محلِ شریف میں حمل کی خبر سن کر دل باغ باغ ہوا۔ فرصت کے لمحات میں حضور قلب کے ساتھ یا سلام یا وارث کا ورد رکھیں جو مقصود کی تکمیل میں بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔ ●

تصنیفِ لطیف ماہرِ علومِ دین طریقت واقفِ رموزِ معرفت وحقیقت، حافظِ قرآن مجید جنوب حضرت شاہ محی الدین
سید شاہ عبد اللطیف نقوی قادری المعرف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز المتوفی ۱۲۸۹ سنہ ہجری

نوادر الدقائق ترجمہ **جواھر الحقائق**

ترجمہ وتشریح

حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی۔ شفاء ڈسپنسری۔ ویلور

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل	ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا	ذکر تیرا روح کی میری شفا
جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا	دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپؐ کی مدح انسان کیا کرسکے	عرش سے جب درود وسلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق وپروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود و سلام اس دربار گہربار، خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخر آدم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، جن کے طفیل وبدولت اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک وضلالت، کفر وجہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمدللہ! زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواھر الحقائق" کی یہ پندرھویں قسط ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ جو کتاب "جواہر الحقائق" کے فائدہ نمبر چھ (٦) کے بقیہ حصہ کا ترجمہ ہے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل ہوتی ہے، وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسیع توسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے خفیف اضافہ اور فائدہ ہے۔ اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے وہاں مترجم کی جانب سے مزید افہام و تفہیم کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھیں۔

زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواہر الحقائق" کی یہ پندرھویں قسط الحمدللہ درجِ ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱	فرشتوں کی چوتھی قسم۔	۷	فرشتوں کی پانچویں قسم۔
۲	نفسِ ناطقہ۔	۸	ہر نفس کا مادہ۔
۳	نفسِ منطبعہ۔	۹	نفوسِ فلکیہ۔
۴	انفاس نفس جسمِ کُل۔	۱۰	لوحِ محفوظ۔
۵	خلیفۃ اللہ۔	۱۱	تشریحِ مترجم۔
۶	روح۔	۱۲	حاصلِ کلام۔

(زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" کی یہ پندرھویں قسط ہے جو دراصل "جواھر الحقائق" کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اس میں فرشتوں کے اقسام پر بحث چل رہی تھی کہ یہ پانچ قسم کے فرشتے ہوتے ہیں۔ انکی پہلی، دوسری اور تیسری قسم کی تفصیل حضرت قطب ویلوری قدس سرہٗ کے بیان سے آپ نے معلوم کرلی۔ اب آگے فرشتوں کی چوتھی قسم پر بحث ہورہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔)

فرشتوں کی چوتھی قسم

فرشتوں کی چوتھی قسم یہ وہ نفوسِ منطبعہ ہیں، جو جسموں کی تدبیر سے اور ان ہی ارواح کے ذریعہ سے واقع ہوتے ہیں اور ان کے اندر ایک ایسا مادہ بھی ہوتا ہے۔ جو جزئی صورتوں کے بدلنے اور شکل اختیار کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اور اس میں نفوسِ مجردہ کی قوتیں بھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ کتاب "صدر" میں علامہ قیصری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسے شریعت کی زبان میں کتب المحو والاثبات (مٹانے اور ظاہر کرنے کی کتاب) کہتے ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں اسے نفوس کہتے ہیں اور حکماء (فلاسفی) کے نزدیک یہ نفوس منطبعہ کہلاتے ہیں اور جب یہ طبیعت کے ماتحت اور تابع واقع ہوں تو حکماء (فلاسفہ)

افلاک کو دو نفس کہتے ہیں۔ ایک نفسِ ناطقہ دوسرا نفسِ منطبعہ۔

نفسِ ناطقہ یہ وہ نفس ہے جو تمام آسمانی امور میں تنہا تدبیر و تحریک پیدا کرتا ہے۔ چناں چہ انسانی نفس ناطقہ یہ مادہ کے اعتبار سے تمام بدنی امور میں مجرّد ہے نیز محرّک اور مدبّر بھی ہے۔ یعنے یہ نفس ناطقہ مجرّد بھی ہے اور محرّک و مدبّر بھی تمام فلکی امور میں۔

نفسِ مُنطبعہ نفس منطبعہ ایک ایسا مادہ ہے جو انسانی بدن کی قوتوں کی راہ میں فیض پہنچاتا ہے۔ یعنے تمام اعضائے جسم انسانی کے قُوای میں نفس ناطقہ کے ذریعہ سے فیض پہنچتا ہے۔ پہلے نفس کو محرّکِ بعید اور دوسرے کو محرکِ قریب کہتے ہیں۔ (شرح حقیقتِ محمدیہ، صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

انفاسِ نفس جسمِ کُل نفسِ جسمِ کُل کے نفوس یہ پہلی صف میں رہتے ہیں۔ (یہ ان کا مقام ہے۔) نفسِ جسمِ کُل اور نفوسِ جزئیۂ فلکیہ (آسمانیہ) اور عُنصریہ بسیطہ اور مرکبہ (جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔) یہ اپنے طبقات اور اپنی صف بندیوں کے لحاظ سے اور اپنی درجہ بندیوں کے اختلاف کے باوجود (یہ سب کے سب) اسی مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ (یعنے یہ پورے اسی جگہ مقیم ہیں۔)

خلیفۃ اللہ یہاں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ افاضہ (فیض پہنچاتے میں) عُقول خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں۔ اور نفوس ناطقہ یہ خلیفۂ عُقول ہیں۔ اور نفوسِ منطبعہ یہ نفوسِ ناطقہ کے خلیفہ ہیں۔ علامہ قیصری رح نے اپنی کتاب "القصیدۃ الفارضیۃ" میں اسی طرح فرمایا ہے۔

علامہ کاشی رح "منازل السائرین" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: "نفس (درحقیقت) روح الجسم (جسم کی روح ہے) اسی نفس کی وجہ سے اس کا بدن (جسم) زندہ ہے باقی ہے۔ اور دل (یعنے قلب) نفس کے حق میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر اس نفس کو زندگی ملتی ہے تو اسی قلب کے ذریعہ سے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ) انسانی روح ایک ایسی روح ہے جس کی وجہ سے اس کا دل تر و تازہ رہتا ہے اور حیات یافتہ ہوتا ہے۔" (شرح منازل السائرین)

روح (علامہ) قیصری رح "شرح الفصوص" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ حکماء (اور فلاسفہ) کی اصطلاح میں عقلِ مجرد جس کا نام ہے وہ اہل اللہ (اور صوفیاء) کی اصطلاح میں روح ہی ہے۔ (اور اسی نام سے یہ حضرات اسے پکارتے ہیں) اسی لیے یہ حضرات عقلِ اول کو روح القدس سے موسوم کرتے ہیں۔ (اور اسی نام سے پکارتے ہیں۔)

نیز (حکما اور فلاسفی کی اصطلاح ہیں) جو نفس مجردۂ ناطقہ ہے یہی اہل اللہ اور صوفیا کے نزدیک قلب ہے (یعنے ان حضرات کے نزدیک اس کا نام دِل ہے۔) جب کہ اس نفس مجردہ ناطقہ کے اندر تفصیلی کلیات بھی موجود ہوں اور وہ نفس خاص طور پر ان کلیات کا ظاہراً ان آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرتا ہو۔ (واضح ہو کہ) اہل اللہ کے نزدیک یہاں نفس سے مراد نفس منطبعہ ہے۔ (مقدمہ شرح الفصوص)

فرشتوں کی پانچویں قسم

فرشتوں کی پانچویں قسم یہ "ارواحِ سَدَنہ" ہیں۔ جن کا دوسرا نام خُدّام اور قوائے نفس بھی ہے۔

اب اس کے بعد یہ بات جاننا چاہیے کہ زمین میں جب بیج (تخم) بوئی جاتی ہے تو اجزائے لطیفہ یعنی پانی، ہوا اور مٹی ہر طرف سے اسے اپنے احاطہ میں لے لیتے ہیں اور اس کو اس طرح گھیرتے ہیں کہ وہ تخم (بیج) اپنی قوتِ مُدّوعہ (اس میں پیوست اور ودیعت کی ہوی قوت) کے ذریعہ ان اجزائے لطیفہ کو اپنے اندر جذب کر کے ایک دوسری صورت اختیار کرتا ہے۔ جو ایک خاص وجہ اور مقررہ نظام کے تحت اپنے ہی جسم کی نشوونما اور بڑھوتری میں لگتا ہے۔ چنانچہ پہلے جڑ، پھر پیڑ اور پتا اس کے بعد رفتہ رفتہ (اور آہستہ آہستہ) ٹہنیاں (ڈالیاں) پتے، غنچے، پھول اور پھل نکلتے ہیں۔ (برآمد ہوتے ہیں۔) اور پھر آخر میں (جب اس کے زوال کا وقت آتا ہے۔) تو اس میں ضعف اور کمزوری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (اور وہ درخت) اس کی تلاش و جستجو ہی میں رہتا ہے۔ چنانچہ جب زمینی مرکبات میں عفونت اور سڑھان اپنی حدِ انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو بالآخر وہ درخت سوکھ جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔)

(اور اسی طرح سمجھو کہ) نطفہ (منی اور خون رحم مادر میں جب جمع ہوتا ہے اور آپس میں ملتا ہے تو ماں کے نفس میں اس کی تدبیر شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ (یہ نطفہ آگے چل کر رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ اپنے اندر ایک شکل اختیار کرتا ہے، جس سے) دل، جگر اور دماغ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ پھر ان میں خواہشات کی روح پھونکی جاتی ہے۔

(غرض) ان دونوں صورتوں میں (یعنی دانے کی تخم ریزی اور نطفے کے استقرار حمل سے) بالآخر ایک دن ایک مخلوق ظاہر ہوتی ہے اور جب اجزا کی صورت بدلتی ہے تو دوسری شکل نمودار ہوتی ہے۔ اور ان میں کا ہر ایک بھی دوسرے نظام اور افعال میں شامل ہوتا ہے۔

(اسی مثال سے) یہ سمجھو کہ جب کوئی صورت یا شکل ظاہر ہوتی ہے تو وہ افعال و نظامِ انسانی کو تقاضا کرتی ہے اور انسانی خواص کُلّی رائے اور لطائفِ خمسہ (حواس خمسہ) کے ذریعہ تفصیل کے ساتھ کثرت سے (وافر حصہ میں) شاخ در شاخ بٹ جاتے ہیں۔

اور جب ہم ہر تخم (بیج) کو اور ہر مرکب عفونت کو اور ہر اس منی کے قطرہ کو جو دوسری قسم میں تصرف کرتے دیکھتے ہیں

اوراسی طرح ہر درخت اور حیوان اور انسان کو دوسری نظم و نسخ (یا نئی شکل و روپ) میں دیکھتے ہیں تو ہماری یہ عقل یہاں کسی ایسی جاندار شئے (یا نفس) کے ثبوت و دلیل پر بے اختیار مضطرو بے قرار ہو جاتی ہے۔ جس کا ہر جسم (و ذرّات) اپنے اندر قوت رکھتے ہیں۔

ہر نفس کا مادہ

ہر نفس کے لیے ایک خاص مادہ ہوتا ہے جو کسی خاص دن اکتساب کرتا ہے (اپنی ذاتی محنت سے حاصل کرتا ہے۔)

اور جب مادہ ایک بار اللہ کے فیض سے مہذّب، باتمیز اور شائستہ ہو جاتا ہے تو وہ ایک خاص نفس کو قبول کرتا ہے اور جب وہ کسی دوسروں کے فیض و اکتساب سے مہذّب اور باتمیز ہوتا ہے تو وہ غیر نفس کو قبول کرتا ہے، جو پہلے سے بھی الطف (زیادہ لطیف) اور اصفیٰ (زیادہ پاکیزہ) اور اعقل (زیادہ عقلمند) ہوتا ہے۔

نفوسِ فلکیہ

نفوسِ فلکیہ (آسمانی نفوس) یہ دورۂ نفوس کے اول ہوتے ہیں اور انسانی نفوسِ کاملہ یہ دورۂ نفوس کے آخر ہوتے ہیں اور دونوں نفوس کے درمیان یہ نفوسِ عنصریہ، نفوسِ معدنیہ، نفوسِ نباتیہ، نفوسِ حیوانیہ، نفوسِ ملکیہ، نفوسِ جنّیہ اور نفوسِ ناقصۂ انسانی ہیں۔

چناں چہ یہ مادہ ہر لفظ کے تلفظ (یعنی لفظ ادا کرتے) کو اس کے مخارج سے ادا کرتا ہے (اور نکالتا ہے) لہٰذا اس کی تکمیل اور پورے ہونے پر اس کے مخصوص معنی کو قبول بھی کرتا ہے اور پھر اس معنی پہ دلالت بھی کرتا ہے۔

اس طرح سے مُصوّرِ مطلق ہر صورت و شکل کو مظاہر سے ظاہر کرتا ہے۔ چناں چہ اس کے کمال تعدیل (پوری درستگی) سے روحِ مخصوص قبول بھی ہوتی ہے اور اسی روح پر دلالت بھی کرتی ہے۔

لوحِ محفوظ

حضرت شیخ رح نے اپنی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کے ایک سو اٹھانوے[198] باب میں ارشاد فرمایا ہے کہ لوحِ محفوظ (یہ درحقیقت) نفسِ کلیہ ہے۔

اور وہ نفسِ کلیہ ایک ایسی روح ہے جس میں ہموار اور موزون صورتوں کے کمال تعدیل (پوری درستگی) کے بعد روح پھونکی جاتی جاتی ہے، پھر اللہ تعالےٰ اس نفخ (پھونک) کو جس صورت اور شکل میں چاہتا ہے ڈھال دیتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے: فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ انتھیٰ۔ (فتوحاتِ مکیّۃ)

تشریحِ مترجم

یہ سورۂ انفطار کی ایک مکمل آیت ہے اور اس سے پہلے کی آیت اس طرح سے ہے: اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي

اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ۝ یعنے رب کریم نے تجھے بنایا پھر تجھے ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر بھی کیا۔ وہ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ یہ ان دو آیتوں کا ترجمہ ہوا۔ یہاں ٹھیک کرنے اور برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن کے اعتبار سے ٹھیک کرنا ہے اور خصلت کے اعتبار سے برابری کرنا ہے۔ بدن اور خصلت دو الگ الگ باتیں ہیں یعنے اعضاء و جوارح اور اجزاء کے جوڑ اور بند درست کرنا اور ٹھیک کرنا اور حکمت کے موافق ان میں تناسب اور برابری کا لحاظ رکھنا اور خیال کرنا پھر مزاج و اختلاط میں ایک ایسا متناسب اعتدال برقرار رکھنا ہے جو مناسب و موزوں ہو۔ یہ تو ہوئی بات تخلیق انسانی میں تناسب و اعتدال کی راہ کی۔ اب آگے فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ کہہ کر یہ فرما دیا کہ ان مناسب و موزوں اور معتدل صورتوں میں بھی تھوڑا فرق و تفاوت کو بھی روا رکھا ہے۔ ہر ایک انسان کو ایک ہی شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ سے آہنگ نہیں کیا بلکہ ان میں بھی سب کی الگ الگ صورتیں شکلیں، رنگ و روپ جدا جدا ہے۔ چہرہ بشرہ، ناک، نقشہ، نمونہ، اونچ نیچ، فربہی لاغری اونچا پستہ، دبلا، پتلا، موٹا، تازہ یہاں تک کہ خون (بلڈ گروپ) اور نشانِ انگشت بھی ایک دوسرے سے مماثلت و مقاربت نہیں رکھتے اور آپس میں میل نہیں کھاتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ہر ایک کے خیالات اور نظریات بھی الگ الگ ہیں۔ ایک ہی گھر کے ایک ہی خاندان کے افراد کی سمجھ بوجھ، خیالات و نظریات بھی مختلف اور متفرق ہوتے ہیں۔ چناں چہ خانگی اور نجی معاملات معاشرات کے علاوہ سیاسیات میں بھی یہی مختلف الخیالات اور نظریات ہوتے ہیں۔ مگر ان سب کے باوجود مجموعی حیثیت سے انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے ممتاز و بے نیاز کر دیا اور بہتر بنا دیا ہے۔

بعض علمائے متقدمین نے اس آیت سے یہاں یہ مطلب بھی لیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اگر چاہتا تو تجھے گدھے، کتے اور خنزیر کی شکل و صورت میں ڈھال دیتا مگر باوجود اس قدرت کے اس نے محض اپنے فضل و کرم اور مشیت سے تجھے انسانی صورت عطا کی ہے۔ اب خود ہی سوچ لے کہ جس خدا کی مشیت و قدرت نے تجھے انسان بنایا ہے اور اشرف المخلوقات سے نوازا ہے اور تجھ پر اس کے اس قدر انعامات اور بے انتہا نوازشات کی بارش ہو رہی ہے تو ان لاتعداد انعامات کے صلہ میں بندہ کیا اپنے خدا کا شکر بھی ادا کرتا ہے؟ اپنے خالق و پالنہار کو کیا کبھی یاد بھی کرتا ہے؟

یہیں سے ایک اور بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ آج کل ملک میں عام طور پر ایک طرح کی وبا پھیلی ہوئی ہے اور ہر خاص و عام کی زباں میں یہی بات چڑھی ہوئی ہے کہ نیشنل انٹگریشن کا ذریعہ کارکلچرل انٹگریشن میں ہے۔ مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ ملک کے مختلف فرقوں میں یکساں سیول کوڈ، یکساں سیول میرج کو رواج دیا جائے اور عام کیا جائے۔ ہر فرقہ کے لوگ دوسرے

فرقہ کے لوگوں سے شادی رچائیں۔ وغیرہ وغیرہ

عقل و تدبیر سے کام لیں اور تھوڑا بہت غور کریں تو یہ حل جو بتایا جاتا ہے وہ طبیعت اور فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ فطرت کا نظامِ قدرت ہی طرح طرح اور قسم قسم کے اصول و ضوابط پر قائم ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا جداگانہ اصول و قانون نہیں ہے۔

درختوں پودوں کو دیکھیے ہر ایک کا الگ الگ انداز اور آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز و بے نیاز ہے اور ان پودوں درختوں میں ہر ایک کی جداگانہ امتیازی شان ہے جو سراسر تنوّع کے اصول و قانون پر قائم ہے کہ: ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است (یعنی ہر پھول کا رنگ اور خوشبو الگ الگ ہوتی ہے)

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے: ؎

پھولوں کے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

غرض قدرت کی صناعی اور کاریگری کو چھوڑ کر اب اگر کوئی اس کے خلاف وحدت کے نظریہ کو اپنانے لگے اور تمام پودوں درختوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک سائز کے بنانے لگے تو یہ اس کی سراسر حماقت اور نادانی کی بات ہوگی کہ اس نے صناع کائنات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ کیوں کہ دنیا کے باغوں میں بڑے اور اونچے درخت بھی ہیں اور چھوٹے اور پستہ قد درخت بھی۔ بڑا درخت اگر سایہ اور لکڑی فراہم کرتا ہے تو چھوٹے درختوں کی قطاریں فصیل اور ہریالی میں اضافہ کرتی ہیں۔ پھول کے درخت اگر خوشبو دیتے ہیں تو اسی کے ساتھ گھاس بھی ایک اہم کام انجام دیتی ہے۔ اگر گھاس نہ ہو تو زمین پر ہری مخمل کا فرش کون بچھائے؟

ٹھیک یہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔ چناں چہ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو ایک دوسرے پر فوقیت، برتری اور فضیلت بخشی ہے۔ یعنے ایک انسان کو کوئی خصوصیت اور شان عطا کی ہے تو دوسرے انسان کو کوئی دوسری خصوصیت دی ہے۔ ایک کا ذوق اور فطرت ایک ڈھنگ اور رنگ کی ہے تو دوسرے کا ذوق و فطرت دوسرے ڈھنگ و آہنگ کی ہے۔

یہ قسم ہا قسم اور رنگ برنگی تنوع اصل میں زندگی کی جان ہے۔ کیوں کہ محض اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے۔ کہ زندگی کی مختلف ضرورتیں اور مختلف نوعیتیں پوری ہوں اور ہمہ گیر، آفاق گیر اور ہمہ جہتی ترقی بھی ممکن ہو سکے۔ انسانوں کے اس کثرتِ تنوع کو ختم کرنے کی کوشش کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے تمام انسانوں کے قد کو مساوی اور برابر کرنے کے لیے ان کے سروں کو تراشا جانے لگے یا ان کے قدموں کو کاٹنے لگے۔

اس قسم کا حل موجودہ زندگی اور دُنیا میں محال اور ناممکن ہے۔ جو خود انسانی فطرتِ سلیم کے یکسر خلاف ہے۔ ہر آدمی بذاتِ خود ایک کائنات ہے۔ ہر شخص کی فزیکل بناوٹ الگ ہوتی ہے۔ ہر شخص کے انگوٹھے کا نشان الگ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر انسان کے جسم کا ہر پارٹیکل دوسرے انسان کے جسم کے پارٹیکل سے الگ ہے۔

اب ایسی صورت اور حالت میں آپ انسانوں کو ایک ہی رنگ میں کیسے رنگ سکتے ہیں اور ایک ہی ذوق اور مزاج اور ایک ہی سانچے چال اور خیال میں کیسے ڈھال سکتے ہیں؛ اور ایسا کرنے کی یہ ناکام و نا تمام کوشش کرنا درحقیقت خود نظامِ فطرت اور خالقِ قدرت کے یکسر خلاف ہے۔ جب خالقِ کائنات نے انسان کے اندر کثرت رکھی ہے تو آپ اس کثرت کو مان کر ہی اپنا مسئلہ حل کر سکتے ہیں نہ کہ اس کو رد کر کے وحدت کو مان کر۔

بہرحال یہاں سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ نیشنل انٹگریشن کا راز کلچرل انٹگریشن میں نہیں ہے بلکہ کلچرل ایڈجسٹمنٹ میں ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ آپسی اختلافات کو مٹا کر ایک دوسرے کا احترام کریں ایک دوسرے کے معاملات میں رواداری اور بھائی چارگی سے کام لیں اور جزوی اختلافات کے باوجود متحد اور ایک ہو سکیں۔ کیوں کہ یہی اصل ہے، بنیاد ہے نیشنل انٹگریشن کی۔ ؎

زاتفاق مگس شہد می شود پیدا — خدا چہ عجب لذت در اتفاق می دارد

مکھیوں کے اتفاق اور ملن سے شہد پیدا ہوتا ہے۔ خدا اس اتفاق کے اندر کس قدر مٹھاس اور شیرینی رکھا ہے۔)

(تشریح ختم)

حاصل کلام

(ان باریک حقائق اور لطیف دقائق کا) خلاصہ یہ نکلا کہ یہ مجرّد سماویہ کے نفوس ہوں یا ان کی قوتیں، یہ سب ارضی (زمینی) نفوس منطبعہ ہی جوان کے ہر جسم میں موجود ہے (جیسا کہ ہر جسم کے لیے عقول موجود ہیں) اور ان ہی آسمانی اور زمینی نفوس کے ہر جسم ہیں (نفوس سماویہ اور ارضیہ ہیں) ایک ایسا حُباب (بلبلا) بھی ہے جو دریائے نفسِ کلیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یا ایک ایسی مثال ہے جو نفسِ کلیہ کی شمع سے ملی ہوئی ہے۔ یا پھر یہ ایک ایسا فرد ہے، جو کُل سے نکلا ہے۔ یا ایک ایسا حصہ ہے جو کسی حقیقت سے ملا ہوا ہے۔ غرض ہر ایک بھی ان مثالوں میں کسی نہ کسی وجہ سے آپس میں مطابقت رکھتا اور میل کھاتا ہے ۔●

جاری

ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ
حضرت مکان، ویلور

ہر شخص کو اپنے اپنے محبوب سے، اپنے خیرخواہ سے محبت ہونا یہ ایک ضروری بات ہے۔ ہونا بھی چاہیے۔ لیکن اس کے برخلاف اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے اس حد تک محبت ہونا کہ اسے اپنی اور اپنے اہل وعیال سے بھی زیادہ محبت ہو۔ یہ بات صرف اُمتِ محمدیہ ہی میں ہو سکتی ہے۔ دُنیا میں ایسا دیکھا گیا ہے کہ ہر اُمتی کو اپنے نبیؑ سے محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے نبیؑ کی تعلیمات پر عمل بھی کرتا ہے۔ لیکن بعض وقت وہ اپنے نبیؑ کی تعلیمات میں ترمیم کر دیتا ہے اور اپنے فائدے کے لیے بدل بھی دیتا ہے۔

لیکن ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اُمّتِ محمّدیہ کا ہر فرد اپنی جان قربان کر سکتا ہے لیکن کسی بات میں کوئی ترمیم نہیں ہونے دے گا۔ اُمتِ محمّدیہ اپنے نبیؐ کی تعلیمات کو یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتی آرہی ہے۔ ماہ ربیع الاول کے پہلے بارہ دن یہ جشن منایا جاتا ہے اور بچپن سے لے کر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس دارِ فانی سے پردہ فرمانے تک کے واقعات کو بذریعہ تقریر اُمت کے درمیان پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اُمت اپنے نبیؐ کی تعلیمات کو یاد کرتے ہوئے اس پر عمل بھی کرے۔ سرورِ کائنات شفیع المذنبیں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اپنے نُور سے پیدا کیا اور سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپؐ حیاتِ ظاہری اور حیاتِ باطنی میں تمام کائنات کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ ایک روز کا ذکر ہے، جب کہ آپؐ وضو کرنا چاہے تو اپنے عمامۂ مبارک کو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سرِ مبارک پر رکھا۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر چار سال کی تھی۔ جوں ہی عمامہ آپؓ کے سر پر رکھا گیا تو آپؓ نے ساتوں آسمانوں

اور ساتوں زمینوں کا مشاہدہ کرنے لگیں اور ان کے درمیان کے تمام احوال و مناظر آپؓ پر منکشف ہونے لگے۔ بعد فراغتِ وضو جب حضورؐ نے عمامہ کو آپؓ کے سر سے اٹھالیا تو فوراً یہ چیزیں جو نظر آنے لگی تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم تا قیامت تمام حالات کو مشاہدہ فرماتے رہیں گے اور اپنے فیضانِ کرم کو جاری و ساری رکھیں گے۔

حافظ ابوالعباس سراج خراسانی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ الفت و محبت تھی اور اسی عشق و محبت کے صلہ میں آپ نے بارہ ہزار قرآن ختم کرکے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح کو ایصالِ ثواب کیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بارہ ہزار قربانیاں دیں۔ ایک روز آپ نے خواب میں دیکھا کہ ننانوے سیڑھیاں آسمان کی طرف لگی ہوی ہیں اور آپ نے تمام زینوں پر چڑھا۔ خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ آپ کی عمر ننانوے سال ہوگی۔ آپ کثرت سے نوافل ادا فرماتے تھے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کثرت سے کرتے تھے اور درس و تدریس آپ کا معمول تھا۔ اس عاشق رسولؐ نے ننانوے سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور الفت کا جذبہ عطا فرمائے۔

بقیہ صـ ۱۰۶ سے آگے "شہد ایک بہترین غذا اور دوا"

کا استعمال بے حد مفید ہے۔

۱۷ ڈاکٹر جی۔ ین۔ ڈبلیو تھامس کا کہنا ہے۔ ہضم کی خرابی کے کئی مریضوں پر جنھیں اختلاجِ قلب کا عارضہ بھی تھا میں نے شہد کا تجربہ کیا اور اسے دل کی بے ترتیب حرکت کو درست کرنے اور مریض کو طاقت دینے والی ایک عجیب مقوی دوا پایا۔

حاصل کلام! شہد جس کے متعلق سے قرآن مجید نے شہادت دی ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ فیہ شفاء للناس۔ اس بیان کی تصدیق ایمان و اعتقاد کی رو سے ہٹ کر بھی طبّی و تحقیقی اور سائنسی تجربات اور مطالعات کے ذریعہ ہورہی ہے۔ ٥

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

حضرت مولانا شبیر احمد اکرمی لطیفی قادریؒ

افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

عصرِ حاضر کو یرفع العلم (علم ناپید ہوگا) کا مظہر قرار دیا جائے تو بےجا نہ ہوگا۔ قربِ قیامت کہ یہ وہ نشانی ہے، جس کا مشاہدہ ہم آے دن کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے افق پر کیسی کیسی ضوفشاں شخصیات نمودار تھیں وہ سب ایک ایک کر کے ایک قلیل وقت میں مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ دار العلوم لطیفیہ اور اس کے ابنائے قدیم کے لیے سالِ رواں ۱۴۲۶ھ کو عام الحزن کہا جاے تو بجا ہوگا۔ کیوں کہ ۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ کو دار العلوم لطیفیہ کی کوکھ سے نکلنے والی عالمانہ وصوفیانہ شخصیت حضرت مولانا شبیر احمد اکرمی لطیفی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ جن کی اچانک رحلت نے سب کے دلوں کو ہلا دیا۔

مولانا اکرمی کا تعلق بھٹکل سے تھا، جو ساؤتھ کرناٹک کا ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ قدیم شہر اپنے دامن میں اسلامی و عربی تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم و فنون اور آداب کی زرّین روایات رکھتا ہے۔ اس شہر کا تہذیبی و تمدنی اور ثقافتی ورثہ اور علمی و دینی شعور و فکر تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں "ہنُّور" نامی ایک شہر کا ذکر کیا ہے جو آج "ہناور" کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بھٹکل سے قریباً چالیس کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ غالباً ہنر سے مراد بھٹکل اور اس کے قرب و جوار کی زمین مراد ہے۔ ابنِ بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے علاقہ میں دو درجن کے قریب مدرسے قائم ہیں۔

آج بھی بھٹکل کی زمین پر متعدد دینی و عصری تعلیم گاہیں منصۂ شہود پر جلوہ نما ہیں۔ مولانا اکرمی وہاں کے ایک تاریخی، علمی، دینی اور نائطی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کا سلسلہ مخدوم فقیہ اسماعیل عسکری کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا فقیہ احمد سے جا ملتا ہے۔ اس خانوادے کی پشتوں میں کئی دہائیوں سے علم و فضل اور عمل سے برابر تعلق رہا ہے اور اس نے بھٹکل کو کئی علماء و فضلا اور فقہاء عطا کئے ہیں اور آج یہ دودمان عالی شان "اکرمی خاندان" کے نام سے معروف ہے۔

مولانا اکرمی کے والد ماجد حضرت مولانا قاضی اسماعیل اکرمی اپنے وقت کے جیّد عالم و فاضل اور فقیہ تھے۔ انھوں نے

ساری زندگی امامت وخطابت اور قضاوت میں گزاردی ۔ مولانا اکرمی پسر نمونۂ پدر کی تفسیر ثابت ہوئے ۔ انھیں کے نقش قدم پر تاحیات چلتے رہے ۔

مولانا اکرمی کی ولادت ۱۹۳۹ء میں بھٹکل میں ہوی ۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک دین دار اور پرہیزگار خاتون تھیں ۔ جن کی تربیت اور پرورش نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور یہ نومولود الولد سر لابیہ (بیٹا والدین کی صفات کا حامل ہوتا ہے) کا مظہر بنا ۔

مولانا اکرمی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد کی زیر نگرانی ہوی ۔ آپ اسلامیہ اینگلو اردو اسکول میں آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ۔ پھر دارالعلوم لطیفیہ ویلور چلے آئے ۔ جہاں آپ کے والد ماجد نے بھی تعلیم پائی تھی ۔ مولانا اکرمی نے سندِ فضیلت حاصل کی اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کی ڈگری حاصل کی ۔

آپ کے عہد میں دارالعلوم لطیفیہ ایک ایسا چشمہ تھا جس پر شیر اور بکری ایک جگہ سے پانی پی رہے تھے ۔ حنفی مسلک میں دو انتہا پسند موقف کے حامل علمائے کرام منصب درس پر فائز تھے ۔ استاذی المحترم حضرت مولانا عبدالواحد جونپوریؒ جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ تھے ، دارالعلوم لطیفیہ میں معقولات اور کتب متداولہ کا درس دے رہے تھے اور آپ بعض جزوی و فروعی اور اختلافی مسائل میں ایک سخت گیر موقف رکھتے تھے ۔ اور استاذی المحترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی جو خانوادہ اشرفیہ کے گل سرسبد تھے ۔ دارالعلوم لطیفیہ میں منقولات اور کتب تصوف اور متداولہ کتابوں کا درس دے رہے تھے اور آپ بھی ایک سخت گیر موقف رکھتے تھے اور استاذی المحترم حضرت مولانا ابوالمعالی علوی ملیباری دارالعلوم لطیفیہ میں معقولات اور منقولات کی تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے جو ایک متوازن و معتدل موقف و مسلک اختیار کئے ہوئے تھے ۔ مولانا اکرمی نے ان حضرات کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ اس طرح آپ کی فکر کی تشکیل اور ذہن کی ساخت میں مختلف عوامل اور عناصر نے اہم کردار ادا کیا ۔ مولانا اکرمی مسلکی اعتبار سے اہلِ سنت وجماعت کے مذہب شافعیہ کے پیرو تھے اور احسان و تصوف کی دنیا میں قادری المشرب تھے ۔ آپ نے اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت پہنا ۔ مرقوم ۱۰ رماہِ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۴ رماہِ مئی ۱۹۷۳ء بروز دوشنبہ

دارالعلوم لطیفیہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے مادرِ علمی میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے ۔

۱۹۶۷ء میں آپ کے والد ماجد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے ۔ اس واقعہ کے تین چار سال بعد اپنی جائے ولادت بھٹکل لوٹ گئے ۔ وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپ کو شہر بھٹکل کی قضاوت اور جامع مسجد کی امامت وخطابت سونپ

دی اور آپ جماعت المسلمین کے مرکزی خلیفہ نامزد ہوئے۔

مولانا اکرمی درس وتدریس، تحریر وتصنیف اور تقریر وخطابت میں اچھی خاصی صلاحیت رکھتے تھے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے دور میں مضامین لکھتے رہے۔ آپ کے متعدد مضامیں سالنامہ اللطیف کی زینت بنے۔ لیکن بھٹکل جانے کے بعد آپ سے تحریری سلسلہ برقرار نہ رہ سکا۔ البتہ خطابت کے میدان آپ کے ہاتھ رہا۔ ہمیشہ جامع مسجد میں جمعہ کے خطبات آپ دیتے رہے۔ اور شہر کی مختلف انجمنوں، اداروں اور درس گاہوں اور ہنگامی ووقتی اور قومی وملی جلسوں میں خطاب کا سلسلہ رہا۔ بھٹکل کی کوئی علمی ودینی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آپ کی شرکت نہ ہو۔ یا اس میں آپ کی صدارت اور دعا نہ ہو۔ بھٹکل کا ایک معروف علمی ودینی اولادبی ادارہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے مختلف جلسوں کی روداد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس اکیڈمی کے متعدد جلسوں کی صدارت کی ہے اور خطاب کیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے مختلف مدرسوں اور اسکولوں سے بھی جڑے رہے۔ جامعہ اسلامیہ میں بھی کچھ عرصہ تک درس دیتے رہے۔ دینی وتدریسی خدمت کے ساتھ ساتھ ہر سماجی واصلاحی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے۔ اپنی شیریں بیانی و اعلیٰ ظرفی، تواضع اور انکساری اور مثبت فکر اور تعمیری ذہن کے باعث بھٹکل کے عوام وخواص میں مقبول شخصیت بنے رہے۔

مولانا اکرمی دارالعلوم لطیفیہ کے دور میں بھی طلبا واساتذہ کے درمیان ہر دل عزیز تھے۔ کسی شخص سے کسی بات پر جھگڑا اور ردوکد کا معاملہ نہیں رہا۔ شاذ ہی کوئی اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہو۔ راقم الحروف کو بھی مولانا اکرمی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ درس کے بعد آپ ہم سے اکثر طلباء کے ساتھ اس طرح کھل مل جاتے تھے کہ آپ کی بے تکلف گفتگو اور لطف ومزاح کے باعث محفل زعفراں زار بن جاتی تھی۔

درس کے اوقات کے علاوہ بھی اپنے کمرے میں طلباء کے اشکالات دور کیا کرتے تھے۔ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل کے نصاب کی تیاری میں طلباء کے بڑے معاون رہے۔

سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ طلباء سے ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ آپ لوگ تحصیل علم کے معاملہ میں بڑے خوش نصیب ہو، تمہارے اساتذہ تمہارے ساتھ دارالاقامہ ہی میں رہتے ہیں ان کے کمرے دن رات تمہارے لیے کھلے رہتے ہیں۔ جب بھی چاہو ان کے دروازے پر دستک دو اور علمی استفادہ کرتے رہو۔ اکثر طلباء آپ سے یونیورسٹی کے نصاب کی کتابوں کا درس آدھی آدھی رات تک لیتے رہے لیکن کبھی مولانا اکرمی کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار نہ ہوتی تھی۔

مولانا اکرمی کی شخصیت میں معنوی حسن کے ساتھ ساتھ صوری حسن کی جلوہ گری بھی تھی۔ چہرہ پُر نور اور معصوم، گول گول موٹی موٹی پرکشش آنکھیں، ریش بھی بھی کسی قدر گھنی اور شرعی۔ خوب صورت گول سڈول جسم، رنگ سفید مائل بہ سرخ، قد میانہ نو موزوں، چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ، کبھی کبھی قہقہہ دار ہنسی۔ گفتگو میں ظرافت و مزاح اور سادگی و بے تکلفی لیکن وقار و تمکنت کی شان نمایاں۔

راقم الحروف کو دو مرتبہ بھٹکل جانے کا اتفاق ہوا۔ سال گزشتہ ۱۴۲۵ھ میں جناب محمد مظفر کولہ کی دعوت پر مجھے بھٹکل جانا پڑا۔ تو مولانا اکرمی نے اپنے صاحب زادے کو بس اسٹانڈ بھیج کر اپنے گھر بلوالیا۔ محمد مظفر کولہ صاحب بھی آ پہنچے۔ یہ مولانا اکرمی کے والد مکرم سے فیض یافتہ تھے۔ مولانا اور ان کے گھر کے افراد کے ساتھ محبت و احترام کا معاملہ تھا۔ مولانا اکرمی سے کہنے لگے یہ میری دعوت پر بھٹکل تشریف لائے ہیں لہٰذا اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔ مولانا اکرمی نے کہا: یہ میرے ہاں قیام کریں گے یہ میرے شاگرد بھی ہیں اور ایک اچھے دوست بھی ہیں۔ آپ اپنے پروگرام کے مطابق جہاں جہاں لے جانا چاہتے ہیں، لے جائیے۔ اس میں کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔

محمد مظفر کولہ بھٹکل کی ایک معروف علم دوست شخصیت ہیں۔ جن کی نگرانی میں نونہال سنٹرل اسکول قائم ہے جس میں لڑکیوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم دی جاتی ہے۔ نونہال سنٹرل اسکول کی مختلف جماعتوں کے طلباء اور طالبات سے مجھے خطاب کی مسرت حاصل ہوئی اور ان مختلف جلسوں میں مولانا اکرمی شریک رہے۔ اور بعض اجلاس ایسے بھی رہے، جس میں آپ نے میرا تعارف کروایا۔ مولانا اکرمی کی سادگی و بے نفسی اور علمی تواضع کے مظہر کا عجیب و غریب سماں تھا۔ کہ آپ انتہائی فراخ دلی اور طیب نفسی کے ساتھ اپنے ایک ادنیٰ شاگرد کا تعارف نہایت بلند الفاظ کے ساتھ کرتے جا رہے تھے، جسے سن کر میں شرمندگی کے دلدل میں پھنستا چلا گیا۔ لیکن ان مجلسوں میں اپنی زبان سے آپ کے لب پر مہر سکوت ثبت کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ ایسے اساتذہ خال خال ہی نظر آئیں گے، جو اپنے شاگردوں کے اعزاز میں مجالس میں تعارفی و تعریفی اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائیں۔

مولانا اکرمی شریف النفس، حلیم الطبع اور کریم الفطرت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی سیرت کا ایک ممتاز پہلو یہ تھا کہ آپ کے اندر حب جاہ و مال کی بو باس تک نہ تھی۔ ساری زندگی سادگی اور قناعت سے بسر کی۔ کبھی کسی سے کوئی آس و امید نہ رکھی۔ حالاں کہ آپ کے ملنے جلنے والے اور چاہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد خلیجی ممالک میں ہے۔ ان کے لیے صرف ایک اشارہ کافی تھا۔ لیکن کسی سے اپنی پریشان حالی کا اظہار پسند نہیں کیا۔ فرمایا کرتے تھے

اپنی تکلیف کو مخلوق کے سامنے بیان کرنا گویا خالق کی شکایت کرنا ہے۔ مولانا اکرمی نے اپنے پیچھے نیک اور ذی علم اولاد چھوڑی ہے جو یقیناً آپ کے حق میں ولد صالح یدعو لہ کی نعمت ہے۔

۲ یا ۳ اپریل ۲۰۰۵ء کو ناسازئ مزاج کے باعث منگلور کی ایک ہسپتال میں داخل ہوئے اسی ہسپتال میں ۵ اپریل ۲۰۰۵ء صبح کے ساڑھے چھ بجے آپ نے آخری سانس لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راقم الحروف کی یہ مختصر اور منتشر تحریر گرچہ کہ حقیقت پر مبنی ہے تاہم مولانا اکرمی کے ساتھ یہ عاجز کا شاگردانہ و عقیدت مندانہ تعلق کی وجہ سے شاید کسی کے ذہن میں یہ سوانحی خاکہ مدلل مداحی قرار پائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مولانا اکرمی کی شخصیت سے متعلق بعض اہلِ علم کی تحریروں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے جو پندرہ روزہ جریدہ "ساحل نیوز" بھٹکل مئی ۲۰۰۵ء کی زینت بنی ہیں:

مولانا محمد جعفر ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، رقم طراز ہیں:

"مرحوم بڑے ہی خلیق اور با اخلاق تھے۔ عربی ادب سے از حد لگاؤ تھا۔ کسی مکتبۂ فکر سے خدا واسطے کا بیر نہیں تھا۔ دیکھنے میں خلوت کدے آدمی لگتے تھے لیکن تھے چراغِ محفل، بھٹکل کی تمام دینی و سماجی سرگرمیوں میں پیش پیش بلکہ مقدمۃ الجیش تھے۔ بھٹکل کے کئی سماجی اور دینی اداروں کے ذمہ داروں میں تھے خصوصاً جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے شوریٰ کے رکنِ رکین تھے۔"

بقول عبد المتین منیری۔ دبئی

"اللہ نے آپ میں صلہ رحمی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ دُور دُور کے رشتہ داروں سے روابط استوار رکھتے تھے اور مصروفیات اور تکالیف کے باوجود اُن کی خوشی وغم کے موقعہ پر شریک ہوتے۔"

کے۔ ایم۔ منیر فرماتے ہیں:

"ٹکراؤ کی عادت آپ میں بالکل نہ تھی۔ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ کبھی کوئی محاذ قائم ہونے نہیں دیا۔ عہدہ و کرسی اور واہ واہ و شہرت کی بالکل بھوک نہیں تھی۔ ایک بھاری بھرکم شخصیت پہاڑ کے مانند بھٹکل کی زمین پر پیوست تھی۔"

مولوی محمد الیاس فقیہ احمد اجاکٹی ندوی فرماتے ہیں:

"ان دونوں سلیم الطبع و حلیم الطبع باپ بیٹوں

اپنی تکلیف کو مخلوق کے سامنے بیان کرنا گویا خالق کی شکایت کرنا ہے۔ مولانا اکرمی نے اپنے پیچھے نیک اور ذی علم اولاد چھوڑی ہے جو یقیناً آپ کے حق میں ولد صالح یدعو لہ کی نعمت ہے۔

۲ یا ۳ اپریل ۲۰۰۵ء کو ناسازئ مزاج کے باعث منکور کی ایک ہسپتال میں داخل ہوئے اسی ہسپتال میں ۵ اپریل ۲۰۰۵ء صبح کے ساڑھے چھ بجے آپ نے آخری سانس لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راقم الحروف کی یہ مختصر اور منتشر تحریر گرچہ کہ حقیقت پر مبنی ہے تاہم مولانا اکرمی کے ساتھ یہ عاجز کا شاگردانہ و عقیدت مندانہ تعلق کی وجہ سے شاید کسی کے ذہن میں یہ سوانحی خاکہ مدلل مداحی قرار پائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مولانا اکرمی کی شخصیت سے متعلق بعض اہلِ علم کی تحریروں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے جو پندرہ روزہ جریدہ "ساحل نیوز" بھٹکل مئی ۲۰۰۵ء کی زینت بنی ہیں:

مولانا محمد جعفر ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، رقم طراز ہیں:

"مرحوم بڑے ہی خلیق اور با اخلاق تھے۔ عربی ادب سے از حد لگاؤ تھا۔ کسی مکتبۂ فکر سے خدا واسطے کا بیر نہیں تھا۔ دیکھنے میں خلوت کدے آدمی لگتے تھے لیکن تھے چراغِ محفل، بھٹکل کی تمام دینی و سماجی سرگرمیوں میں پیش پیش بلکہ مقدمۃ الجیش تھے۔ بھٹکل کے کئی سماجی اور دینی اداروں کے ذمہ داروں میں تھے خصوصاً جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے شوریٰ کے رکنِ رکین تھے۔"

بقول عبد المتین منیری۔ دبئی

"اللہ نے آپ میں صلہ رحمی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ دُور دُور کے رشتہ داروں سے روابط استوار رکھتے تھے اور مصروفیات اور تکالیف کے باوجود اُن کی خوشی و غم کے موقعہ پر شریک ہوتے۔"

کے۔ ایم۔ منیر فرماتے ہیں:

"ٹکراؤ کی عادت آپ میں بالکل نہ تھی۔ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ کبھی کوئی محاذ قائم ہونے نہیں دیا۔ عہدہ و کرسی اور واہ واہ و شہرت کی بالکل بھوک نہیں تھی۔ ایک بھاری بھرکم شخصیت پہاڑ کے مانند بھٹکل کی زمین پر پیوست تھی۔"

مولوی محمد الیاس فقیہ احمد اجاکٹی ندوی فرماتے ہیں:

"ان دونوں سلیم الطبع و حلیم الطبع باپ بیٹوں

(مولانا اکرمی اور ان کے والد ماجد) نے اپنے جماعی نظریات و موقف کو عوامی خدمات کے میدان میں کبھی حائل ہونے نہیں دیا۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شامل ہونا، اپنے گھر کے دروازوں کو چوبیس گھنٹے ہر ایک کی فریاد رسی کے لیے کھلا رکھنا، غریبوں و امیروں سے یکساں تعلق رکھنا، اپنے سے کم عمر و کم علم طلبا کو ہمیشہ شفقت بھری نگاہوں سے دیکھنا، ان کی ہمیشہ علمی و دینی معاملات میں ہمت افزائی کرنا ان کا وطیرہ تھا۔"

شاہ بندری اسماعیل چڈو بابا

کا بیان ہے:

"عوام الناس کی خدمت آپ کا شیوہ رہا۔ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ دنیاوی عیش و عشرت کے سامان سے آپ استغنیٰ فرماتے تھے۔ قناعت پہ گزارا تھا، سادگی، صلہ رحمی، خودداری، مجاہدہ، ریاضت، مہمان نوازی، خوش اخلاقی اور انکساری و تواضع آپ کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے۔"

سیّد حسن سقاف

فرماتے ہیں:

"حضرت قاضی صاحب اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ قوم کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھے۔ اپنے اسلاف کی نہج پر چلتے رہے۔ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ علم و عمل کے پیکر تھے اور ایک غیر متنازعہ شخصیت تھی۔

مولانا اقبال ملّا ندوی

فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کے ساتھ مجھے ایک عرصہ دراز تک مستقلاً تعلق رہا ہے۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں اکثر جمعرات کے دن نمازِ مغرب اُن کے پیچھے پڑھتا تھا اور مغرب تا عشا ان سے فیض حاصل کیا کرتا تھا۔

مولانا عبدالباری

فرماتے ہیں:

"حضرت قاضی صاحب کی شخصیت تقریباً تمام کے نزدیک بالاتفاق متفق علیہ تھی۔ اس قسم کے طبیعت کے آدمی بہت کم ملتے ہیں۔ کبھی انھوں نے زندگی نہ ہی روپیہ جمع کیا اور نہ ہی کسی کے روپیوں پر زندہ رہے۔

مولانا خواجہ معین الدین اکرمی مدنی

فرماتے ہیں:

"جب مجھے ان کا نائب بنایا گیا اس وقت انھوں نے

کہا تھا۔ کسی کی جیب پر کبھی نظر نہ رکھی جائے بلکہ اللہ پر نظر رکھی جائے اور اسی پر اعتماد کیا جائے۔

جو روزی ہمارے مقرر ہے وہی ملے گی۔ پریشانیاں لوگوں کے سامنے پیش کی جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مخلوق سے خالق کی شکایت کی جائے ۔"

ابوالحسن ظہور فرزند مولانا اکرمی فرماتے ہیں:

"جب ہم کسی تکلیف کا تذکرہ والد مرحوم سے کیا کرتے تھے تو کہتے تھے کہ میں نے جو ظلم برداشت کیا ہے اس پر چار سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جا سکتی ہے ظلم کا تذکرہ انسانوں سے نہ کرو صرف اللہ تعالیٰ سے کیا کرو ۔"

مولانا خواجہ معین الدین فرماتے ہیں:

"اپنے مسلک پر عمل کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ اچھے کاموں میں اپنا تعاون دیا۔ ملی اتحاد کی علامت بن کر زندگی گزاری۔ ہر مسلک کے اکابرین کا احترام کیا ۔"

مولانا محمد فضل الرحمن رحمانی جامعہ اسلامیہ فیروزیہ، اکبرپور، پٹنہ، فرماتے ہیں:

"ان کا سب سے اعلیٰ وصف خدمت خلق و دینی فکر و دینی جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کی خوش اخلاقی اور چھوٹے بڑے، امیر غریب سبھوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ان کا شعار تھا ۔"

کوثر جعفر بھٹکلی نے نظم کے پیرایہ میں مولانا اکرمی کی زندگی اور شخصیت کو اس طرح نمایاں کیا ہے۔

مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین بھٹکل کے آپ
آخری دم تک رہے موصوف قاضی و خطیب
ان سے مل کر ان کے گرویدہ بھی ہو جاتے تھے لوگ
کیا کہوں مرحوم کی سادہ مزاجی تھی عجیب

۲

کم سخن تھے پھر بھی اُن کی شخصیت تھی باوقار
معرفت والے تھے، اہل اللہ میں تھا ان کا شمار
فیض روحانی سے سب ہوتے تھے ان سے فیض یاب
وہ تھے با اخلاق خود ماحول بھی تھا دیندار

اہلِ علم وفضل میں شہرہ تھا ان کا ہر جگہ!
اہلِ دین اہلِ شریعت میں تھا ان کا مرتبہ
شہر میں سب کی زبان پر ان کا ذکرِ خیر تھا
ان سے جاری تھا سلوک ومعرفت کا سلسلہ

مذکورہ الصدر بیانات عینی شاہد کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن کی صحت اپنی جگہ مسلّم ہے

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

امّتِ مسلمہ کے لیے یہ عظیم المیہ اور سانحہ ہے کہ ایسی پرخلوص علمی و دینی اور روحانی شخصیتیں دُنیا سے اٹھتی چلی جارہی ہیں اور اپنے پیچھے ایسا خلاء چھوڑے جارہی ہیں جس کے پُر ہونے کی علامت اور نشانیات بہت کم نظر آتی ہیں۔

مولانا اکرمی نے چالیس سال تک امامِ مسجد اور قاضئ شہر، مصلحِ امّت کی حیثیت سے جو علمی، دینی اور اصلاحی و دعوتی خدمات انجام دی ہیں، وہ ناقابلِ فراموش اور قابلِ اعتراف کارنامہ ہے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نقوشِ طاہر

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سیّد شاہ محمّد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظم
دارالعلوم لطیفیہ

ذیل کا مضمون سالنامہ اللطیف سنہ 1979ء میں شائع ہوا تھا جسے حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سیّد شاہ محمّد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے لکھا ھے۔ اس مضمون میں مولانا سید شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کا سبق آموز اور دلچسپ واقعہ پیش کیا گیا ھے جو ایک جن شہزادہ سے متعلق ھے اور اس کے علاوہ شاہ عالم گجراتی کا واقعہ ھے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تصرف کو بیان کر رہا ھے۔

دولتِ علم و دولتِ دُنیا، کمال و اقبال اور بہت کم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کرشمۂ قدرت ہے کہ اسلام خدمت اور دین کی حفاظت کی خاطر وقتاً فوقتاً اللہ تعالےٰ ایسے نفوسِ قدسیہ کو پیدا فرماتا رہا ہے، جن کا زندہ جاوید کارنامے رہتی دُنیا تک مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی بھی انہیں نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے صدرالعلماء تھے۔ تفسیرِ عزیزی اور فتاویٰ عزیزی آپ کی گراں مایہ تصانیف ہیں۔ آپ کی ایک اور شہکار تصنیف "تحفۂ اثنائے عشریہ" ہے جو ردِ روافض میں لکھی گئی۔ جب وہ منظرِ عام پر آئی تو ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ وہ آج تک اس کتاب کا جواب نہ دے سکے۔

آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے لیے دُور دراز مقامات سے لوگ حاضر ہوتے تھے اور آپ کے درس سے فیض حاصل کرتے تھے اور جنّات بھی آپ کے درس میں شریک ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شاہ صاحب درس دے رہے تھے تو درس گاہ میں ایک سانپ نکل آیا۔ طلباء سانپ سانپ پکارنے لگے۔ شاہ صاحب نے اُسے مار ڈالنے کا حکم

وہاں جنّات بستے تھے۔ شہزادۂ جنّات کے انتقال پر بستی کی بستی غم کدہ بنی ہوئی تھی۔ شام میں بعد نمازِ عصر شاہ صا۔

اپنے مکان میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: مولوی صاحب ہمارے گھر میں میرے بچے کی تسمیہ خوانی مقرر ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ آپ کی زبان ہو۔ اس کی بہت منت سماجت کے بعد قبول فرمایا۔ اور اس کے ساتھ چلنے لگے۔ دریافت فرمایا کہ تمہارا مکان کہاں ہے تو بتایا کہ شہر کے باہر ہے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت قریب آگیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ تمہارا گھر کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ اُس سامنے والے درخت کے قریب ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا محل ہے، جس میں جنّات کا بادشاہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہے اور بہت سارے جنّات سے دربار بھرا ہوا ہے۔ جوں ہی شاہ صاحب اندر داخل ہوئے تو اُن کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ جنّات کے بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا: کیا آپ ہی شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی ہیں؟ تو آپ نے کہا: ہاں۔ پھر کہا: کیا آپ مفتیٔ وقت ہیں؟ آپ نے کہا: ہاں۔ جنّات کے بادشاہ نے پوچھا: اگر کوئی شخص کسی کو ہلاک کر دے تو اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق آپ کیا فتویٰ دیں گے؟ آپ نے فرمایا: خون کا بدلہ خون۔ بادشاہ نے فرمایا: تو یہ فتویٰ اور یہ بات آپ ہی پر صادق آتی ہے کہ آپ کو خون کا بدلہ خون دینا ہوگا۔! آپ نے فرمایا: کہ میں نے کسی کا خون نہیں کیا تو بدلہ کیسا؟ بادشاہ نے کہا: شہزادہ سانپ کی شکل میں آپ کے درس سے فیض یاب ہونے کی غرض سے آپ کی درس گاہ میں داخل ہوا تھا تو آپ کے حکم سے اُسے ہلاک کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہے کہ جب کوئی موذی جانور کو دیکھا جائے تو ہلاک کر دیا جائے۔ پھر فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی حدیث پر میں نے عمل کیا۔ اگر شہزادہ انسانی روپ میں داخل ہوتا تو یقیناً فیض یاب ہوتا۔ جنّات کا بادشاہ سمجھ دار تھا۔ اس لیے اس نے معلّمِ جنّات کی طرف رجوع کیا اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا کہنا ہے؟ معلّم نے کہا: شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمہ نے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی حدیث پر عمل کیا۔ جب شہزادہ انسانی روپ میں جاتا تو یقیناً فیض یاب ہوتا۔ آپ کے گناہ اور بے قصور ثابت ہوئے۔ ایسے موقعہ پر آپ کے جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بتایا جا سکتا ہے عالمِ دین کا اللہ تبارک وتعالیٰ محافظ ہوتا ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بھی نگاہِ کرم ہوتی ہے۔ اسی لیے عادل وتعالےٰ نے انھیں نیک توفیق عطا فرمائی اور جنّات کے بادشاہ نے آپ کو باعزّت وہاں سے رخصت کیا۔

مولانا عبدالمصطفےٰ اعظمی بیان فرماتے ہیں ایک مرتبہ گجرات احمد آباد میں، بخاری شریف کا درس دے رہا تھا۔ ایک صاحب میلے کچیلے کپڑوں میں شاہ عالم کے مزار کے اطراف گھوم رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میرے درس میں آکر بیٹھ گئے اور مجھے گھور گھور دیکھنے لگے اور مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ میں نے دریافت کیا: اے بڑے میاں! میرے چہرے کو

یوں گھور رہے ہو؟ تو انھوں نے فرمایا: قسم ہے حق سبحانہٗ وتعالےٰ کی میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے پیارے چہرے کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ سُننتے ہی میری ہنسی غائب ہوگئی اور میں سکتے کے عالم میں خاموش ہوگیا۔ اس خاموشی کے بعد میں نے دریافت کیا کہ آپ چائے پیئں گے۔ انھوں نے کہا: میں آپ کے ہاتھوں سے پانی پیوں گا۔ میں نے پانی منگوایا اور میں نے اپنے ہاتھوں پانی پیش کیا۔ پانی پینے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ مولانا عبدالمصطفٰے اعظمی بیان فرماتے ہیں کہ اس تاریخ سے میں ان سے ملنے کا منتظر اور مشتاق رہا، پھر دوبارہ ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ آج تک وہ تڑپ اور تمنّا باقی ہے۔

درسِ حدیث کی عظمت اور درسِ حدیث دینے والوں کی شان ہی کچھ نرالی ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عالم کا زمانہ تھا۔ آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ موسمی اثرات سے متاثر ہوکر آپ کچھ علیل ہو گئے۔ جب صحت یاب ہوئے تو آپ نے درس گاہ تشریف لاکر طالب علموں سے فرمایا: مجھے افسوس ہے کہ علالت کی وجہ سے بارہ دن کا درس ناغہ ہوگیا۔ طلبۃ العلوم نے کہا: مولانا! آپ برابر آتے رہے اور ہم درس حاصل کرتے رہے۔ یہ سُن کر آپ نے مراقبہ کیا۔ مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ فوراً تخت سے نیچے اُتر گئے اور فرمانے لگے: تم کتنے خوش نصیب ہو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے بخاری شریف کا درس حاصل کیا۔ وہ کتنے خوش نصیب طلباء تھے انھوں نے بخاری شریف کا درس حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے بالراست حاصل کیا۔

حدیث کی شان وعظمت ملاحظہ فرمائیے۔ کہ: ارشادِ نبوی ؐ ہے کہ علم ایک نورِ خداوندی ہے اور یہ صرف انھیں لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اس کے اہل ہوں اور اس کے رموز اُن پر ہی منکشف ہوتے ہیں۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا اس کو اس (کے مقتضا) سے بہتر (بدلہ) ملے گا (کیونکہ نیک عمل کا اصل مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اس کی حیثیت کے موافق عوض ملے مگر وہاں اس سے زیادہ دیا جائے گا جس کا کم سے کم درجہ اس کی حیثیت سے دس گنا ہے) اور جو شخص بدی لے کر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔ (سورہ قصص)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے قبول ہی کر لینا چاہئے۔ (۱) تکیہ (۲) تیل اور (۳) دودھ۔
(ترمذی شریف)
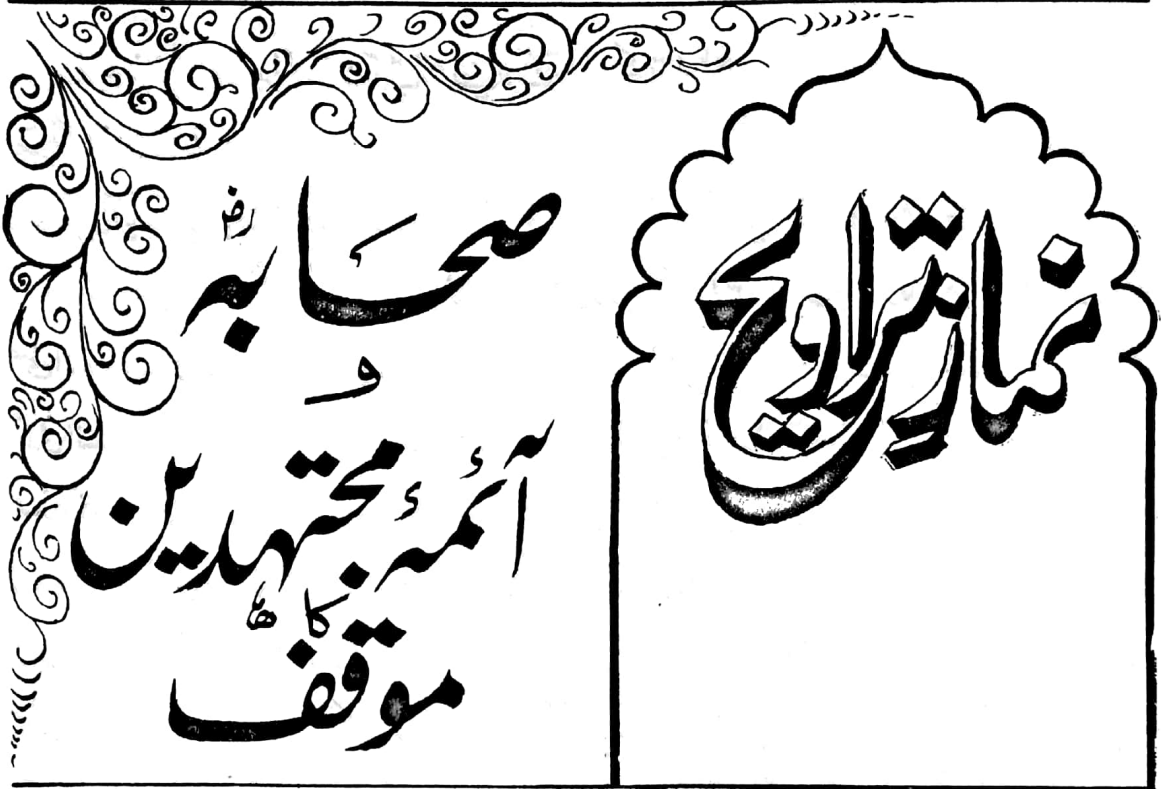
قاری مولوی یم بی شیخ فضل اللہ لطیفی ایم اے جنجی۔ مدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

تراویح کی وجہ تسمیہ :

لفظِ تراویح تَرْوِیْحٌ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے راحت دینا، آرام کرنا، خوشبودار کرنا۔ اصطلاحِ شریعت میں تراویح اس نماز کو کہتے ہیں جو ماہِ رمضان المبارک میں بعدِ عشاء قبل وتر ادا کی جاتی ہے۔ ہر چوتھی رکعت کے بعد تھوڑا وقفہ کرتے ہیں اس لیے تراویح نام ہوا۔

تراویح کی ابتداء :

سب سے پہلے خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے مسجد نبویؐ میں شروع فرمائی۔ بعدہٗ امّت پر فرض ہوجانے کے خوف سے ترک فرمادیا۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی حدیث ہے : عن عائشۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی فی المسجد فصلی بصلاتہ ناس ثم کثروا من القابلۃ ثم اجتمعوا فی اللیۃ الثالثۃ او الرابعۃ فکثر و فلم یخرج الیہم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما اصبح قال قد رایت الذی قد صنعتم البارحۃ فلم یمنعنی ان اخرج الیکم الا اننی خشیت ان یفرض علیکم و ذلک فی رمضان۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک رات) مسجد میں نماز پڑھی آپؐ کے ساتھ

لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔ پھر اگلی رات آپؐ تشریف لائے تو لوگوں کی تعداد بڑھی ہوئی تھی۔ پھر تیسری اور چوتھی شب میں مجمع کثیر ہوگیا تو آپؐ باہر تشریف نہیں لائے، پھر صبح کو ارشاد فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی رغبت دیکھی تھی۔ میں صرف اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم لوگوں پر فرض نہ کردی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ رمضان کا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ جامع الترمذی میں روایت کرتے ہیں: عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یصلی بنا حتی بقی سبع من الشھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذھب شطر اللیل فقلنا یا رسول اللہ لو نفلتنا بقیۃ لیلتنا ھذہ فقال النبی من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ۔ یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا۔ آپؐ نے ہمارے ساتھ رات میں قیام نہیں فرمایا جب سات راتیں باقی رہ گئیں تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی، پھر اگلی رات میں قیام نہ فرمایا اور پچیسویں۲۵ شب میں قیام فرمایا، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپؐ اس رات کے باقی حصہ میں بھی ہمیں نفل پڑھائیں۔ تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے امام کے ساتھ آخر تک قیام کیا (نماز پڑھی) تو اس کے لیے رات بھر قیام کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے اور اعتقادِ صحیح کے ساتھ رمضان میں قیام کرے یعنی تراویح پڑھے تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

عن سائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہم صحابۂ کرامؓ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کے زمانہ میں بیس۲۰ رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ۔ یعنی حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانے میں لوگ تیئس۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔ (بیس۲۰ رکعت تراویح اور تین۳ رکعت وتر)

بیس۲۰ رکعت پر صحابہؓ کا اجماع ہے!

ملک العلماء حضرت علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف 'بدائع الصنائع' جلد اول

ہیں تحریر فرماتے ہیں: روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بھم فی کل لیلۃ عشرین رکعۃ ولم ینکر علیہ احد فیعمون اجماعا منھم علی ذلک۔ یعنی مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان کے مہینہ میں صحابہ کرامؓ کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ روزانہ صحابہ کرامؓ کو بیس۲۰ رکعت پڑھاتے تھے اور ان میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی۔ تو بیس۲۰ رکعت پر صحابہؓ کا اجماع ہوگیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عمدۃ القاری شرح بخاری" جلد پنجم میں رقمطراز ہیں: قال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ یعنی علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (بیس۲۰ رکعت تراویح) جمہور علماء کا قول ہے علماء کوفہ، امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اجماع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ یعنی صحابۂ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس۲۰ رکعت ہے۔ اور مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں وھی عشرون رکعۃ باجماع الصحابۃ۔ یعنی تراویح بیس۲۰ رکعت ہے اور اسی پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی 'عمدۃ الرعایہ حاشیۂ شرح وقایہ' جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں: ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر عثمان وعلی فمن بعدھم اخرجہ مالکؒ وابن سعد والبیھقی وغیرھم یعنی حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بیس۲۰ رکعت تراویح پر اہتمام ثابت ہے۔ اس مضمون کی حدیث کو امام مالک، ابن سعد اور امام بیہقی وغیرہم نے تخریج کی۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ اپنی کتاب 'مرقاۃ' جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں: اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ یعنی صحابۂ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس۲۰ رکعت ہے۔

بیس رکعت جمہور کا قول اور اسی پر عمل ہے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'جامع الترمذی' باب قیام شہر رمضان میں فرماتے ہیں

اکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارکؒ والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ

یعنی کثیر علماء کا اسی پر عمل ہے جو حضرت علی و حضرت عمر فاروق اعظم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیس۲۰ رکعت تراویح منقول ہے اور سفیان ثوری، ابن مبارک، اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں کہ (تراویح بیس۲۰ رکعت ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس۲۰ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'شرح نقایہ' میں تحریر فرماتے ہیں: فصار اجماعا لما روی البیہقی باسناد صحیح کانوا یقیمون علی عہد عمرؓ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمانؓ وعلیؓ۔ یعنی بیس۲۰ رکعت تراویح پر اجماع کا اتفاق ہے اس لیے کہ امام بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس زمانوں میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بیس۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

طحطاوی 'علی مراقی الفلاح' میں: ثبت العشرون بمواظبۃ الخلفاء الراشدین ماعدا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مداومت سے بیس۲۰ رکعت تراویح ثابت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف 'شامی' جلد اول مصری میں راقم ہیں: وھی عشرون رکعۃ ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔ یعنی تراویح بیس۲۰ رکعت ہے یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مشرق و مغرب ساری دنیا کے مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔

شیخ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وھو قول الجمھور لما فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔ یعنی بیس۲۰ رکعت تراویح جمہور علماء کا قول ہے۔ اس لیے مؤطا امام مالکؒ میں حضرت یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ تیئیس۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔ (یعنی بیس۲۰ رکعت تراویح اور تین۳ رکعت وتر) اور اسی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: کان الناس یصلونھا فرادیٰ الی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال عمر انی اری ان اجمع الناس علی امام واحد فجمعھم علی ابی بن کعب فصلی بھم خمس ترویحات عشرین رکعۃ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شروع زمانہ خلافت تک صحابہ کرامؓ تراویح الگ الگ پڑھتے تھے بعدہٗ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک امام پر صحابہ کرام کو جمع کرنا بہتر سمجھتا ہوں پھر انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پر صحابۂ کرامؓ کو جمع فرمایا اور حضرت ابیؓ نے لوگوں کو پانچ ترویحہ بیس۲۰ رکعت پڑھائی۔

کفایہ میں ہے: کانت جملتها عشرین رکعة وهذا عندنا وعند الشافعی۔ یعنی تراویح کل بیس رکعت ہے اور یہ ہمارا مسلک ہے اور یہی مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

بدائع الصنائع جلد اول میں اما قدرها فعشرون رکعة فی عشر تسلیمات فی خمس ترویحات کل تسلیمتین ترویحة وهذا قول عامة العلماء۔ یعنی تراویح کی تعداد بیس۲۰ رکعت ہے۔ پانچ ترویحہ دس سلام کے ساتھ، ہر دو سلام ایک ترویحہ ہے اور یہی علماء کا قول ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء العلوم جلد اول میں رقمطراز ہیں: وهی عشرون رکعة۔ یعنی تراویح بیس۲۰ رکعت ہے۔

شرح وقایہ جلد اول میں ہے: سنّ التراویح عشرون رکعة: یعنی تراویح بیس۲۰ رکعت مسنون ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری میں رقمطراز ہیں: شہنشاہ ہند اورنگ زیب: وهی خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین کذا فی السراجیه۔ یعنی تراویح پانچ ترویحہ ہے۔ ہر ترویحہ چار رکعت کا دو سلام کے ساتھ اور ایسا ہی سراجیہ میں بھی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں: عشرون رکعة۔ یعنی تراویح کی تعداد بیس۲۰ رکعت ہے۔

بیس۲۰ رکعت تراویح کی حکمت:

بیس۲۰ رکعت تراویح کی حکمت یہ ہے کہ رات اور دن میں کل بیس۲۰ رکعت فرض و واجب ہیں۔ سترہ۱۷ رکعت فرض اور تین۳ رکعت وتر۔

رمضان المبارک میں بیس۲۰ رکعت تراویح مقرر کی گئی ہیں تاکہ فرض و واجب کے مدارج اور بڑھ جائیں اور ان کی خوب تکمیل ہو۔ جیسا کہ حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول شیخ زین الدین الشہیر بابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بحر الرائق، جلد دوم میں نقل کرتے ہیں۔ ذکر العلامة الحلبی ان الحکمة فی کونها عشرین ان السنن شرعت مکملات للواجبات وهی عشرون بالوتر فکان التراویح کذلك لتقع المساوات بین المکمِّل والمکمَّل
یعنی علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ تراویح کے بیس۲۰ رکعت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ واجب اور فرض جو دن

رات میں کل بیسؔ رکعت ہیں۔ انھیں کی تکمیل کے لیے سنتیں مشروع ہوی ہیں۔ تو تراویح بھی بیسؔ رکعت ہوتی ہیں تاکہ مکمل کرنے والی تراویح اور جن کی تکمیل ہوگی یعنی فرض و واجب دونوں برابر ہو جائیں۔

مصنف 'مراقی الفلاح' علامہ شیخ حسن بن علی شرنبلالی کے قول: وھی عشرون رکعۃ کے تحت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الحکمۃ فی تقدیرھا بھذا العدد مساواۃ المکمل وھی السنن للمکمل وھی الفرائض الاعتقادیۃ والعملیۃ۔ یعنی بیسؔ رکعت تراویح مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ مکمل کرنے والی سنتوں کی رکعات اور جن کی تکمیل ہوتی ہے۔ یعنی فرض و واجب۔ کی رکعات کی تعداد برابر ہو جائیں۔

درمختار کی عبارت: وھی عشرون رکعۃ حکمتہ مساواۃ المکمل والمکمل، کے تحت علامہ ابنِ عابدین اپنی کتاب شامی میں تحریر فرماتے ہیں: لا یخفی ان الرواتب وان کملت ایضاً الا ان ھذا الشھر لمزید کمالہ زید فیہ ھذا المکمل فتکمل۔ یعنی واضح ہو کہ فرائض اگرچہ پہلے سے بھی مکمل ہیں۔ لیکن ماہِ رمضان میں اس کے کمال کی زیادتی کے سبب یہ مکمل یعنی بیس رکعت تراویح بڑھا دی گئی ہیں تو وہ خوب کامل ہو گئے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالےٰ منکرین کے فتنہ سے اہلِ ایمان کو محفوظ رکھے اور انھیں توفیق دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم وآل واصحابہ اجمعین۔

بقیہ ص ــــ سے آگے "خاتونِ جنت بی بی فاطمہ زہرا بتول رضی اللہ عنہا"

فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

کتابیات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں — مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

۲۔ خاتونِ جنت — ملک دین محمد صاحب ایڈیٹر "صوفی"

۳۔ The Family of the Holy Prophet (PBUH) — B.S.M. Madani

۴۔ المرتضیٰ — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ڈاکٹر سیّد احتشام احمد ندوی : سابق ڈین و صدر شعبۂ عربی۔ کالی کٹ یونیورسٹی۔ کیرالا

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے ملفوظات، جو "ملفوظاتِ عزیزی" کے نام سے معروف ہیں۔ اس میں کسی مرید کا ذکر ہے کہ اس نے حضرت شاہ صاحب سے کہا کہ آپ اس دَور کے قطب ہیں۔ اس پر اس کی سرزنش کی اور اس قول کو ناپسند کیا۔ حضرت مکان کے جتنے علماء ہیں سب ہی قطب کہلاتے ہیں۔ مولانا طبیب الدین اشرفی، سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ نے ایک کتاب "اقطاب ویلور" لکھ کر اس تصور کو عام کر دیا۔ ڈاکٹر مولانا بشیر الحق نے احیاء کیا کہ قطبِ ویلور کے نام سے اپنا تحقیقی کارنامہ "حضرت سید شاہ عبداللطیف المعروف شاہ محی الدین پر پیش کیا اور ان کو قطب ویلور کے نام سے یاد کیا۔ اور قطب کی تعیین کر دی۔ قطب اور ابدال کا تعین آسان نہیں۔ یہ تو انسان کی صلح و فلاح کے لیے ایک خدائی نظام ہے۔ اقطاب کی بجائے اگر ان علماء اور اعلیٰ اسلامی کارناموں کے حاملین کو مصلحینِ امّت کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ان کی ذات سے جنوبی ہند میں اشاعتِ اسلام کے ساتھ ساتھ اصلاحِ امّت کا بڑا کارنامہ انجام پایا اور ان علماء اور بزرگوں نے اردو، فارسی کی عظیم خدمات بھی انجام دیں اور ان کی ذات سے ہماری تاریخ و تہذیب کا چراغ روشن ہے۔ کسی خاندان میں ساڑھے تین سو سال تک علم و فضل کی شمع روشن رہے اور صدیوں تک علوم و فنون کا وہ مطلعِ نُور بنا رہے تو یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے اور یہ تسلسل، خدمت اسلام میں ان کو ہماری تاریخ میں ایک اہم مقام عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی صاحب نے اپنے تحقیقی کام میں اس خاندان کے چھٹے سجادہ نشین حضرت شاہ محی الدین سید عبداللطیف رح کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس میں اردو زبان و ادب میں ان کے کارناموں پر زور دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے مقالہ میں اردو ادب کی خدمت کو بیان کرنا ضروری تھا۔ یوں

بھی ایک ادیب کی زندگی میں اگرچہ دوسرے پہلو ہم کو نظر آتے ہیں اور ادب وشعر غالب ہوتا ہے۔ مگر حضرت قطب ویلور کا معاملہ یہ ہے کہ ان پر تصوف اور اصلاح امت کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے تصوف نے ان کی زبان وادب کی خدمت کو دبا دیا تھا۔

مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر بشیر الحق صاحب نے اس دبے ہوئے پہلو کو ابھارا اور ان کی عظمت واہمیت کو اردو ادب میں واضح کر کے ان کے مقام کا تعین کیا۔ بلا شبہ ان کے کارناموں سے اردو زبان وادب کو اس دیار میں پروان چڑھنے کا موقعہ ملا۔ اُن کے مریدوں اور خلفاء نے اردو شاعری اور اردو نثر دونوں کی ترقی میں حصّہ لیا۔ حضرت قطبِ ویلور کے رسالوں کو تصوف کا تحفہ تصور کیا اور ان کو پڑھ کر اپنے اندر ایمان کی روشنی، فکر کی بلندی، ذاتِ باری تعالےٰ سے تعلق کو مضبوط کیا۔ اپنے قلوب کو منوّر کیا۔ اور اپنے اندر ایمان کی قوت اور عمل کی عظمت محسوس کی۔ اس لیے کہ تصوف دراصل قاری کے قلب پر اثر کرتا ہے۔ اور اس کی عقل پر ہدایت کی روشنی ڈال کر اس کو عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ صوفیا دراصل قلب کی صفائی اور اصلاح کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے شاعری کو استعمال کیا ہے۔ شاعری چونکہ جذبات کی زبان ہے اور جذبات کا فیضان قلب پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جذبات اصلاً قلب کی زبان ہے۔

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد، والا معاملہ ہے۔ دوسری چیز جوانِ دکنی صوفیائے انجام دی شاعری کے علاوہ وہ ہے نثر میں رسائل کی تحریر واشاعت۔ ضخیم کتابیں پڑھنا کارے دارد ہے مگر چھوٹے چھوٹے رسائل لکھ کر ان صوفیاء نے اپنے پیغامِ اصلاح ورشد وہدایت کو پھیلایا اور عام کر دیا۔ ان پیغام ان رسائل کے ذریعہ شہروں اور قریوں تک پہونچ گیا۔ اس طرح حضرت مکان کے علماء اور صوفیاء نے ایک طرف شاعری کے ذریعہ اور دوسری طرف نثر کے ذریعہ عوام کے اندر تبلیغ واصلاح کا کام کیا۔

ڈاکٹر عبد الحق بابائے اردو نے دکن کے صوفیاء پر ایک کتاب لکھی جس میں اردو کی نشو ونما میں ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس دور جدید میں ڈاکٹر بشیر الحق نے اسی سلسلہ کو جاری رکھا ہے۔ بلکہ آگے بڑھایا ہے اور حضرت سید عبد اللطیف اور ان کے آباء واجداد اور اولاد پر اعلیٰ تحقیقی کام کر کے ان کی شاعری اور رسائل پر روشنی ڈال کر ان کی زندگی کے اس حصہ کو نمایاں کیا ہے۔ جو تصوّف کے تقدس میں دب گیا تھا۔ اس سے دراصل انھوں نے اردو ادب کی تاریخ کا ایک باب روشن کر دیا ہے۔ تصوف پر لکھنا آسان نہیں۔ اس میں عقیدت پرستی اور کرامت کے بیانات انسان کا دامن تھام لیتے ہیں۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب انگیز مسرت ہوی کہ حضرت قطب ویلور جن پہ یہ تحقیقی مقالہ لکھا گیا ہے۔ ان کی گیارہ تصانیف موجود ہیں۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے اُن پر بھی پورا تبصرہ کیا ہے۔ اور حضرت قطب ویلور کے دور پہ روشنی ڈالی ہے۔ ان کی اولاد و احفاد کے کارناموں کو نمایاں کیا ہے اور اُن کے خلفاء اور تلامذہ کے ادبی کارناموں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ حضرت مکان کی پوری تاریخ مصوّر ہو گئی ہے۔ یہ کتاب حضرت قطب ویلور کے کارناموں پہ لکھی گئی ہے مگر یہ شہر ویلور کی تاریخ بھی ہے اور حضرت مکان کے صوفیاء اور علماء کا تذکرہ بھی۔

اس کتاب پر پروفیسر ڈاکٹر افضل الدین اقبال صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد رقمطراز ہیں۔

"اردو زبان و ادب کی نشوونما اور ترقی میں حضرت قطب ویلور نے اپنی تصانیف اور اپنے مکتوبات اور وعظ و بیان کے ذریعہ جو حصہ لیا اور پھر آپ کے خلفاء و تلامذہ نے جو گراں قدر علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دی ہیں، اُسے تاریخ ادب اردو نظر انداز نہیں کر سکتی۔" ص: ۱۲

حضرت قطب ویلور نے گیارہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں سات کتابیں اردو زبان میں ہیں۔ باقی عربی یا فارسی میں ہیں۔ اردو کتابوں میں "احیاء السنۃ"، "احیاء التوحید" اور "تنبیہہ الجاہلین" بڑی عظمت کی حامل ہیں۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت محی الدین سید عبد اللطیف کے آٹھ لاکھ مریدین تھے اور چار سو صاحب علم و فن خلفاء تھے جو پورے جنوبی ہند میں پھیل گئے تھے اور وعظ و نصیحت اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے تو حضرت قطب ویلور کا اصل کارنامہ تبلیغ اسلام تھا۔ انھوں نے اپنی عصر کی زبان و تہذیب پر بھرپور اثر ڈالا ہے اور اپنی تبلیغی اور اصلاحی جدوجہد عام کی ہے۔ مولانا عبد الرحیم ضیا حیدر آبادی نے "مقالات طریقت" میں لکھا ہے: "آپ ہر روز عصر کی نماز پڑھ کر پند و نصائح اور ارشاد میں مغرب تک دربار عام فرماتے، مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے۔ یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا تھا۔

صاحب ضمیر جواہر السلوک کا بیان ہے: ہر جمعہ در مرداں و ہر شنبہ در زناں وعظ می نمود: ص: ۲۶۷۔

دعوت اسلام کی تاریخ میں بھی یہ کتاب بڑی اہمیت و عظمت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر بشیر الحق صاحب نے اپنی تصنیف حضرت قطب ویلور کے ذریعہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی طرف سے ایک فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ یہ کتاب ہماری تاریخ و تہذیب، زبان و ادب اور اسلامی فکر و نظر کا ایک آئینہ ہے۔ جس میں مصنف نے جنوبی ہند میں خطۂ ویلور پر روشنی ڈالی ہے اور اس کو منوّر اور مصوّر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر موصوف کا یہ تحقیقی و قیع مقالہ درج ذیل ابواب پر منقسم ہے۔ جو ایک جامع و مانع ترتیب ہے۔

افتتاحیہ

پہلا باب (الف) ویلور کی تاریخی جغرافیائی اور علمی حیثیت۔ (ب) حضرت قطب ویلور کے عہد کا تاریخی، سیاسی، علمی اور مذہبی پس منظر۔

دوسرا باب حضرت قطب ویلور کے خانوادہ کی علمی وادبی اور دینی خدمات۔

تیسرا باب حضرت قطب ویلور کی سیر وسوانح۔

چوتھا باب حضرت قطب ویلور کی تصنیفی خصوصیات، کتابوں کا تعارف اور مسلک ومشرب۔

پانچواں باب حضرت قطب ویلور کے تلامذہ وخلفاء کی علمی ادبی اور دینی خدمات۔

اختتامیہ

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

بقیہ فضیلت ذکر وذاکر ص 127 کے آگے

اور حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ شَفَتَاہُ:
(بخاری) یعنی اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور اس کے دو لب میری یاد میں حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث قدسی میں آیا ہے: اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ وَاَنِیْسُ مَنِ اسْتَانَس، یعنی میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے اور میں اس کا انیس ہوں جو مجھ سے طلب انس کرتا ہے۔

مذکورہ احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی ان بندوں کے ساتھ ہے جو اس کا ذکر کرتے ہیں ہر حال میں اس کو یاد کرتے ہیں۔

غرض ذکر کی حقیقت یہی ہے کہ بندہ ہر حال میں اور ہر کیفیت میں خواہ وہ سرور کے عالم ہو یا حزن کی کیفیت ہو، اللہ تعالٰی کی یاد کو اپنے قلب سے محو نہ ہونے دے۔ نعمت ملے تو شکر اور مصیبت پہنچے تو صبر اور ہمیشہ اس کی قضا وقدر سے راضی اور خوشنود رہے۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است کا معاملہ رہنا چاہیے۔ — وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۰
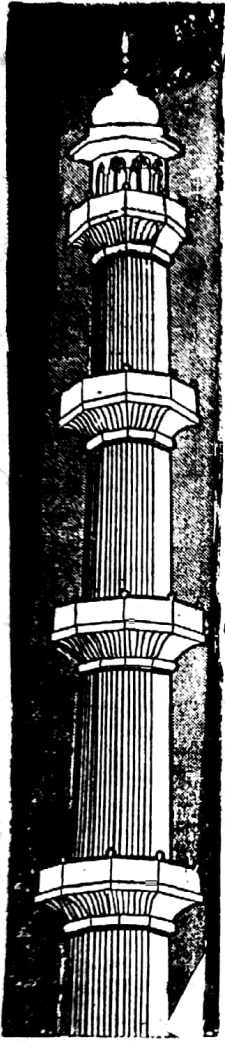
مولانا مولوی مفتی قاضی محمد حبیب اللہؒ

ڈاکٹر جاویدہ حبیب

ہندوستان میں حضرت قاضی محمد حبیب اللہؒ کے خاندان کے اوّلین بزرگ فقیہہ عطا احمد شافعیؒ تھے۔ یہی بزرگ اولین مورث سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے آگے کا سلسلۂ نسب تلف ہو چکا ہے۔ آپ کا خانوادہ بھی نائطی تھا۔ آپ کے والد بزرگوار شمس العلماء قاضی عبید اللہؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) مدراس کے ایک عظیم ترین علمی و دینی شخصیت محمد صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ (المتوفی ۱۲۸۰ھ) کے ہونہار فرزند ارجمند تھے۔ آپ کے جدّ امجد کی علمی فضیلت کا شہرہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر بھی ہوا جن پر مستقل کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ہندوستان میں آپ کا خاندان شمالی کناڈا ضلع کے ایک شہر "بینور" سے جو ایک بڑی کھاڑی پر واقع ہے۔ جس میں جہاز بھی آجا سکتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے یہاں کا دورہ کیا تھا اور اس نے نہ صرف یہاں کی جغرافیائی اہمیت ظاہر کی بلکہ حضرت قاضی محمد حبیب اللہؒ کے سلسلہ کے آباو اجداد میں مذکورہ مورث اولین کے پوتے تقی مخدوم اسماعیل (المتوفی ۸۷۹ھ) سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو افطار کے سلسلہ میں اس شہر کے سلطان کے ہاں مدعو تھے۔ یہ خاندان کس دور میں مدراس آیا۔ اس کی بہت بڑی تفصیل ہے جس کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت قاضی محمد حبیب اللہ کی ولادت باسعادت شب شنبہ ۱۴ر شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۴ر مارچ ۱۸۹۳ء کو شہر مدراس کے مشہور محلہ چھ باغ (جو آج چیپاک کے نام سے مشہور ہے) میں ہوا۔ آپ کی والدہ نے ہی آپ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ کا نام حبیب اللہ رکھا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اس کے تیسرے دن وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں اور آپ اپنی ننھیال میں پرورش پاتے رہے۔ آپ کے والد ماجد قاضی عُبید اللہ ابن قاضی بدر الدولہ ریاست

مدراس کے سرقاضی تھے۔ قاضی صاحب کمسنی ہی یعنی آپ کی عمر چار سال ہی کی تھی بڑے شوق سے نماز پڑھنے لگے تھے۔ آپ کے ننھیال کا مکان مسجد انوری کے بالکل قریب تھا۔ آپ رات ہو یا دن چپکے سے مسجد چلے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے ایک رات آپ اپنی نانی کو سوتا چھوڑ کر چپکے سے دروازہ کی کنڈی کھولی اور مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب نانی کی نیند ٹوٹی تو اپنے نواسے کو بستر سے غائب پایا۔ آپ کے ماموں شیخ محمد غوث صاحب آپ کی تلاش میں نکلے۔ تب تک صبح کی اذاں ہو چکی تھی۔ مسجد آکر دیکھتے ہیں تو وہ چار سالہ کمسن بچہ صبح کی نماز میں صف میں کھڑا ہے۔ اطمینان ہو گیا۔

ایک مرتبہ رات میں کمسن قاضی صاحب کی نیند ٹوٹی تو وہ مسجد کے لیے روانہ ہو گئے۔ وقت قریباً آدھی رات کا تھا۔ مسجد آکر یہ دیکھتے ہیں کہ دراز قد لوگ نماز میں پڑھ رہے ہیں۔ اُن کی جسامت دیکھ کر قاضی صاحب گھبرا گئے اور گھر واپس ہو گئے۔ بچپن سے عبادات کا شوق آپ کی زندگی کے آخری لمحہ تک بھی کم نہ ہوا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ صوم و صلوٰۃ کے عاشق تھے۔ یہاں تک کہ جب کسی سے کوئی کام نہ ہوتا تو آپ اذکار میں مشغول ہو جاتے۔ سننے میں آیا ہے کہ آپ چلتے پھرتے درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔

آپ کی وجیہہ شخصیت رعب دار ہی نہیں بلکہ بڑی پُر جمال اور قدسی صفات سے بھرپور تھی۔ آپ گویا ایک چلتا پھرتا فرشتہ تھے۔ آپ کے مخالفین بھی آپ کی موجودگی میں آپ کے خلاف کچھ کہنے سے شرماتے یا گھبراتے۔ یہ اور بات ہے مدراس جیسے ناقدر شناس شہر میں آپ کے خلاف پیٹھ پیچھے بڑی سازشیں اور چہ میگوئیاں ہوتی رہیں اور اشتہار بازی یا رسالہ بازی کے ذریعہ آپ کے مسلک اور آپ کے فتوؤں پر کیچڑ اچھالا جاتا تھا۔ آپ اس کی ذرا پروا نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ حق ہے۔ البتہ آپ کے بھولے پن سے فائدہ اٹھانے والوں میں بھی غلط تحریروں پر دھوکہ سے دستخطیں لے تھیں جس کا ازالہ بعد میں کر دیا جاتا تھا یا جواب دے دیا جاتا تھا۔

قاضی محمد حبیب اللہ صاحب کی تعلیم و تربیت مدرسۂ محمدی میں ہوی۔ آپ نے اپنے وقت کے جیّد علماء سے درس لیا تھا۔ جب آپ کی نانی صاحبہ کا انتقال پُر ملال ہوا تب آپ اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ جن کا مکان پدوپیٹ گارڈن اسٹریٹ میں تھا جسے اب دیوان صاحب باغ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نانی کی زندگی تک وہ اپنے والد سے دُور ہی رہے یہاں تک کہ تعلیم کے دوران دوپہر کے اوقات میں جب بھوک لگتی تو آپ کسی ہوٹل سے کچھ کھالیا کرتے تھے مگر اپنے والد کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ پتہ نہیں کہ آپ کا یہ والد محترم سے کسی رنجش کا نتیجہ تھا یا بزرگی کے احترام کے باعث تھا۔ رنجش تو ہوی نہیں سکتی۔ کیوں کہ والدین کے حقوق سے آپ بخوبی واقف تھے۔ ایک شرعی حیثیت سے وہ اپنے والد سے کسی قسم کا عناد رکھ ہی

نہیں سکتے۔ اپنی بسم اللہ خوانی سے مدرسہ محمدی تک کی تعلیم میں آپ نے اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔
۱۳۴۲ھ میں ۲۶ رجب کو آپ کی دستار بندی ہوئی۔

جب آپ انیس۱۹ سال کے تھے تو ۱۳۴۷ھ ہجری میں آپ نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ حج اور زیارتِ روضۂ پرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر آپ عراق، شام، بیروت اور بیت المقدس کا سفر بھی کیا تھا۔ حج سے واپسی کے بعد 1938ء میں آپ کی شادی، حاجی غلام عبدالقادر صاحب کی صاحب زادی سے ہوئی۔
اکیس۲۱ سال کی عمر سے ہی اپنے والد کے کہنے پر آپ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار نے کبھی غلط فتویٰ نہیں دیا انگریزوں نے چاہا تھا کہ ترکوں کے ساتھ انگریزی جنگ میں اگر مسلمان شریک ہوتے ہیں تو اُسے جہاد کا درجہ دیا جائے۔ قاضی عبیداللہ صاحب نے مدراس کے کلکٹر ۵۲ھ ۱۹۱۰ء کی درخواست کو ٹھکرادیا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں قاضیؒ موصوف کو چوبیس۲۴ گھنٹے کی مہلت دی گئی "اگر حکم نہ بجالائیں تو انھیں" اندمان "بھیج دیا جائے گا۔ جسے" کالے پانی کی سزا" کہتے ہیں۔ اتفاق دیکھیے کہ چوبیس گھنٹے کی مدت سے پہلے ہی کلکٹر کو قضانے آگھیرا۔ اور اس کی چیٹھی کے ساتھ قاضی کی بھی برات ہوگئی۔ حضرت قاضی محمد حبیب اللہ میں بھی والد کی حمیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ نے بھی کبھی غلط فتویٰ نہیں دیا۔

قاضی صاحب نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے اور باطنی طور پر کئی اولیائے کرام سے استفادہ کیا ہے۔
بھٹکل اور ملیبار میں آپ کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ دولھا دلھن کو مدراس لے آتے تاکہ ان کی نکاح خوانی آپ ہی کریں کیوں کہ نکاح خوانی کے لیے آپ دُور دراز کا سفر نہیں کرسکتے تھے۔ ہندوستان سے باہر سری لنکا اور کراچی کا بھی سفر کیا ہے۔ کراچی میں آپ کی موجودگی کو سن حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خود ایک اعزازی دعوت میں آگئے تھے۔ ویسے وہ اس دعوت میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

آپ سے پیشتر مدراس میں قاضی محمد فصیح الدین بحیثیت گورنمنٹ قاضی مقرر تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد آپ کو قضاوت کا عہدہ دینے کا موقع آیا تو کانگریسیوں نے رکاوٹ ڈالنی چاہی۔ وہ یہ کہہ کر کہ آپ مسلم لیگی ہیں۔ سری راج گوپال چاری وزیر اعلیٰ مدراس پر دباؤ ڈالنے لگے کہ انھیں منتخب نہ کیا جائے۔ مگر وزیر اعلیٰ موصوف پوری طرح حضرت قاضی صاحب کی شخصیت سے واقف تھے۔ انھوں نے یہ کہہ کر کہ انگریزوں دور میں انھیں کٹّر کانگریسی کہہ کر معتوب کیا جاتا تھا اور کانگریسی دور میں انھیں کٹّر مسلم لیگی کہہ کر معتوب کیا جارہا ہے۔ یہ سراسر ناانصافی ہے اور آپ ہی کو اس عہدہ کے لیے موزوں قرار دیا گیا۔

اگر قاضی صاحب مدراس کے اہم ترین عہدے پر فائز نہ ہوتے تو نہ جانے کتنے شرپسند عناصر مسلمانوں میں تفرقہ کے

باعث ہوتے۔ حضرت موصوف نے ہر مسلک کے لوگوں کو متحد رکھنے کے لیے کسی کی حمایت نہیں کی۔ آپ کا دورِ قضاوت ٹمل ناڈو کی تاریخ میں سب سے زرّین دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

آپ حضرت شاہ ابو احمد مجدّدی بھوپالی کے مرید ہوئے تھے۔ جب شیخ موصوف مدراس تشریف لائے تھے۔ آپ کو تینوں سلسلوں یعنی نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ میں خلافت اور اجازت حاصل ہے۔ آپ کو مذکورۂ بالا بزرگ سے شرف ملاقات ۱۱ رمضان ۱۳۲۵ھ میں حاصل ہوا تھا۔ دوبارہ آپ نے ۹ رذی الحجہ ۱۳۵۰ھ میں حضرت مولانا اسلم بحر العلومی فرنگی محلی سے بھی سلسلۂ قادریہ کی خلافت و اجازت حاصل کی ہے۔ اور انھیں سے سلسلۂ سہروردیہ کی اجازت بھی ملی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت سید شاہ محمود حسام الدین قادری بغدادی سجادہ نشین حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضؓ سے بھی خرقۂ خلافت و اجازت بھی حاصل ہوا جب کہ آپ بغداد گئے تھے۔

حضرت موصوف کا یہ معمول تھا کہ روزانہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبد الحق محمد مخدوم ساوی رحؒ کے آستانہ پر حاضری دیتے آپ کے لیے درگاہ کا دروازہ کھولا جاتا۔ آپ دروازہ کے باہر ہی رکتے اور ولیٔ موصوف کو بلند آواز سے سلام کرتے۔ جب آپ کو سلام کا جواب مل جاتا تو آپ اندر جاتے۔ جب تک جواب نہیں ملتا آپ باہر ہی ٹھہرے رہتے۔ اس کا مشاہدہ بہت سے لوگوں نے کیا ہے۔ حضرت موصوف کا یہی معمول ولیٔ کامل حضرت مولانا یوسف مستان رحؒ (کرشنا پیٹ) کی درگاہ مبارک پر بھی تھا۔

یہ قدسی صفات شخصیت جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ۳ر شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۶ر مارچ ۱۹۵۷ء کو سخت علیل ہوئے۔ مثانہ میں پتھری کی علّت تھی جس سے پیشاب خارج ہونا بند ہو گیا تھا۔ آپ کو جراحی کے لیے اسٹینلی ہسپتال (Stanely Hospital) میں داخل کیا گیا۔ اسی ہسپتال کے احاطہ میں حضرت سید شاہ تراب علی شاہ رحؒ کا مزار شریف ہے اور اسی بزرگ کے فیضان مبارک سے صحت یاب ہو کر حضرت موصوف گھر لوٹ آئے۔

آپ جب بھی علیل ہوتے آپ کے عقیدت مند اور کثیر تعداد میں عام مسلمان بے قرار ہو جاتے تھے اور جب شفایاب ہوتے تو خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی۔ یہ آپؒ سے لوگوں کی دلی وابستگی ہی کے باعث تھا۔ ۳ر شعبان ۱۳۷۷ھ میں دوبارہ راما کرشنا نرسنگ ہوم میں آپریشن ہوا تھا۔ تو دُور دُور تک اس کی خبر بجلی کی طرح پہنچ گئی تھی اور علاج کے بعد شفا پا کر آپ گھر آئے تو لوگوں کا حال پرسی کے لیے تانتا بندھ گیا۔

اس کے بعد بہت طویل عرصے تک حضرت موصوف کی صحت بفضلِ خدا اچھی رہی۔ مگر آخری بار آپ کی علالت کا سلسلہ ماہ رمضان ۱۳۹۸ھ م ۱۹۷۷ء میں شروع ہوا تو آپ فریش ہو گئے۔ آپ پر غنودگی سی طاری رہی۔ آپ ہوش آجاتا اور اشاروں سے نماز ادا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ رمضان بھر جاری رہا۔ اور عید الفطر کے دن آپ پوری طرح

ہوش میں تھے۔ ۹ر شوال ۱۳۹۸ھ م ۱۹۷۷ء کو پھر آپ علیل ہو گئے۔ تنفس شروع ہو گیا۔ ۱۰ر شوال ۱۳۹۸ھ م ۱۹۷۷ء کو رات کے سوا دس بجے آپ تین مرتبہ بلند آواز سے سلام کیا اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے انداز میں بڑھائے تھے اور اس کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھا اور جنوبی ہند کا یہ آفتابِ علم و عرفاں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ایک کہرام سا مچ گیا۔ ریڈیو اور ٹی۔ وی پر یہ غمناک خبر منتشر ہوی۔

حضرت موصوف کی وصیت تھی کہ گھر والے ان کی نعش پہ ہرگز ماتم نہ کریں کوئی آنسو نہ بہائے اور جتنی جلدی ہوسکے تدفین عمل میں لائے۔ آپ کی نماز جنازہ مسجدِ والاجاہی (بڑی مسجد) میں ادا کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی، جہاں حضرت بحر العلوم فرنگی محلی، حضرت محمد غوث شرف الملک، حضرت قاضی بدر الدولہ، حضرت قاضی عبید اللہ، حضرت مفتی محمود اور حضرت مولوی صفی الدین بھی دائمی طور پر آسودۂ خواب ہیں۔

سلطان العارفین شمس المفسرین علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی القادری نوری

کسے بولوں کہ حالت کیا بنی ہے یارسول اللہ
ہر اک ساعت مری اب کچھ نئی ہے یارسول اللہ

کسی سے بات کرنا کیا کسی کے ساتھ رہنا کیا
تمہیں سے رات دن اب لو لگی ہے یارسول اللہ

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں آپ کو ہر سمت عالم میں
مری اب ٹکٹکی یوں ہی بندھی ہے یارسول اللہ

سکونِ دل کہیں بھی آج تک پایا نہیں میں نے
ادائے خلق اب تو دیکھ لی ہے یارسول اللہ

جہاں سے ہاتھ دھو کر گزاری رات رو رو کر
عجب درد و الم ہے بے کلی ہے یارسول اللہ

ملے جس کو ہو تم اس کو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یارسول اللہ

بلا لو سوئے طیبہ اب کہاں تک ہند میں ٹھہروں
مدینہ علم کا تم، در علیؓ ہے یارسول اللہ

خدا نے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ جب ہے فرمایا
خدا کا فعل خود فعلِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

یَدُ اللہ کو خدا نے خود کہا ہے فَوْقَ اَیْدِیْھِم
خدا کا ہاتھ ہی دستِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

جہاں تک یہ خدائی ہے وہاں تک مصطفائی ہے
جدھر دیکھوں خدا ہے اور نبیؐ ہے یارسول اللہ

مرے نوری پیا آمر تو تجھ میں حق کو پاتا ہے
نبیؐ ہے اور علیؓ ہے اور ولی ہے یارسول اللہ

یا رسول اللہ

پیش کش
عبد الغفور آمری وشارمی

علم و استقلال حضرت سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ

سیّد شاہ مصطفےٰ قادری عُرف کمال پاشاہ : عروس جاگیر۔ ورنگل

ارکان اسلام کے شرعی امور ہوں کہ رموز معرفت یا تصوف و طریقت ہر ایک راہ کے راہی کے لیے علم بے حد ضروری ہے۔ بغیر علم کے منزلِ مقصود تک رسائی بہت مشکل ہے۔ میرا تعلق جس علمی خاندان سے ہے، جس کی عظمت و شان میری پہچان ہے۔ یعنی محبوب سبحانی غوث صمدانی میراں محی الدین حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کے تبحر علمی کے ذکرِ جمیل سے حضرات قارئین کرام کی اصلاح اور بارگاہِ ربّانی میں وسیلہ ابرار و صالحین کے ذریعہ اپنی نجات کا متمنی ہوں۔

بہجۃ الاسرار میں ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کے علمی کمال، وعظ و نصیحت میں اثر کا یہ حال تھا کہ سرزمین بغداد پر آپ کی مجلسِ وعظ میں ستر ستر ہزار سامعین کا مجمع کثیر اور آپ کی مقبولیت کو دیکھ کر بعض لوگوں کو حسد ہونے لگا۔ کہ ایک غیر عربی شخص بغداد میں اس قدر مقبولیت کی بلندی پر کس طرح پہنچا۔ چناں چہ اس وقت بغداد میں جو بحر العلوم اور علم الحدیث کے پہاڑ مانے جاتے تھے، حافظ ابوالعباس احمد بن بغدادی اور علامہ حافظ عبدالرحمن بن الجوزی بغرض امتحان آپ کی مجلس وعظ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آیت کی تفسیر بیان کی۔ پہلی تفسیر سماعت کرنے کے بعد ان دو عالموں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر تصدیق کردی۔ اس طرح گیارہ تفاسیر تک دونوں تصدیق کرتے رہے۔ غوث الاعظم دستگیر رضؓ نے جب بارھویں تفسیر بیان فرمائی تو اس تفسیر سے یہ دونوں حضرات لاعلم تھے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس طرح چالیس تفاسیر اس ایک آیت کی آپ بیان فرماتے چلے گئے پھر آخر میں آپ نے فرمایا: رجعلنامن القال الی الحال لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی ہم اب قال سے حال کی طرف واپس ہوئے ہیں۔ اور ایک مرتبہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا نعرہ لگایا تو ساری مجلس میں اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور علامہ ابن الجوزی جوشِ حال میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ قلائد الجواہر میں ہے مفرج بن نہاد بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ بغداد کے ایک سو باکمال علماء آپ کی مجلسِ وعظ میں آپ کے تبحر علمی کا امتحان لینے کے لیے جمع ہوئے۔ ہر ایک نے انتہائی مشکل سے

مشکل مسئلہ سوال کرنے کے لیے ذہن نشین کر لیا جوں ہی آپ وعظ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے قبل اس کے کہ کوئی آپ سے کچھ سوال کرتا آپ نے مراقبہ فرمایا پھر یکایک آپ کے سینۂ غوثیت کی ایک نوری کرن نمودار ہوئی اور بجلی کی طرح کوند کر تمام علماء کے سینے میں پیوست ہوگئی اور سب کے سب چیخ مارتے ہوئے گریباں چاک کر لیے اور اپنے سروں کے عمامے اچھالتے ہوئے سر برہنہ منبر کی طرف لپکے اور اپنا سر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مبارک قدموں پر رکھ دیا۔ غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہر ایک کو اپنے سینۂ مبارک سے لگا کر ان کے مشکل مسائل کا حل وجواب ارشاد فرمانا شروع کیا۔ جب تمام سوالات کے جوابات غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دے دیے اور اطمینان کے ساتھ وہ حضرات وعظ سننے میں مصروف ہوگئے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت میں نے ان علماء سے پوچھا تم لوگوں کو کیا ہوگیا تھا؟ اس وقت ان علماء نے کہا جیسے ہی ہم نے سوال کرنے کا ارادہ کیا اچانک ہمارے سینوں سے سارا علم سلب (غائب) ہوگیا اور اس علمی سرمایہ کے سلب ہوجانے کی وجہ سے اضطراب میں بے حال ہوگئے۔ لیکن غوث پاک رضی اللہ عنہ نے جب ہم کو اپنے سینے سے لگایا ہمارا سینہ پھر علم نور سے معمور ہوگیا۔ اور اس قدر شرح صدر حاصل ہوگیا کہ ہمارے قلوب کے بند کھل گئے اور علم معرفت سے ہم سرشار ہوگئے۔

حصولِ علم کے لیے حضرت پیرانِ پیر نے بغداد کا رخ کیا اور وہاں کی معروف درس گاہ جامعہ نظامیہ میں طلب علم کے لیے داخل ہوگئے۔ تقریباً ۱۰۰ محدثین حضرات کی درسگاہوں سے علم الحدیث کے فن میں انتہائی کمال درجہ کی مہارت حاصل کی۔ خود آپ نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ "قطب" ہوگیا۔ اور کل مولاؤں کے مولا اللہ تبارک وتعالیٰ سے مجھے سعادت کے خزانے مل گئے۔ حصول تعلیم کے زمانہ میں آپ کو کئی ہوش ربا مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ استقلال کا پہاڑ بن کر اپنے اصولوں پر قائم رہے۔ آپ کے زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ بغداد میں بڑا زبردست قحط پڑا۔ آپ فاقوں پر فاقے ہوتے تھے۔ ایک روز فاقوں سے نڈھال اور بھوک سے بے تاب ہوکر آپ دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے تاکہ کچھ درختوں کے پتے یا جنگلی پھل وغیرہ کھا کر بھوک سے نجات حاصل کریں مگر جس طرف کا بھی رخ کرتے فقر وفاقہ سے بے حال مساکین کا ہجوم دیکھتے اور کہیں بھی کھانے کے لائق کوئی چیز نہیں ملتی۔ پھر آپ شہر کی طرف واپس لوٹے۔ بھوک کی شدت سے آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور چلنا مشکل ہوگیا۔ تو ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک عجمی آدمی آیا اور اپنے تھیلے میں سے گوشت اور روٹی نکال کر کھانے لگا۔ اچانک اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے کہا: آؤ بھائی تم بھی کھانا کھالو۔ پہلے تو آپ نے انکار فرمایا لیکن اس کے اصرار سے

مجبور ہو کر آپ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔ تو اس عجمی نے آپ سے دریافت کیا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں گیلان کا باشندہ ہوں اور تحصیل علم کے لیے بغداد میں مقیم ہوں۔ یہ سن کر اس شخص نے چونک کر کہا: میں بھی گیلان کا رہنے والا ہوں اور یہ کہا: تم گیلان کے رہنے والے اس طالب علم کو پہچانتے ہو؟ جس کا نام عبدالقادر ہے آپ نے فرمایا: وہ تو میں ہی ہوں۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آب دیدہ ہو کر کہنے لگا: میاں سید زادے میں نے تمہیں بغداد میں بہت تلاش کیا اور تمہاری تلاش میں بغداد میں میری ساری رقم خرچ ہو گئی۔ سید زادے تمہاری امی جان نے تمہارے لیے چند درہم ارسال کیے تھے، جو میرے پاس امانت تھے۔ لیکن خدا کی قسم! آج مسلسل تین دن کے فاقوں نے مجھے جاں بلب کر دیا۔ میں نے تمہاری امانت میں سے روٹی خریدی۔ یہ کھانا تمہارا ہے اور میں تمہارا مہمان ہوں۔ میں بے حد مجبور ہو کر تمہاری امانت میں خیانت کا گناہ کر بیٹھا۔ سید زادے میرا قصور معاف کر دو۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کرتے خوشی خوشی سے معاف فرمایا اور اس کے پاس سے باقی رقم لے کر اس میں سے کچھ رقم اس کی مدد کے لیے اس کو عطا فرمایا۔

قحط بغداد کے زمانہ میں بہت سے طالب علم غلہ وصول کرنے کے لیے دیہاتوں میں جانے لگے۔ ایک مرتبہ آپ بھی ان کے ساتھ چلے گئے اور ایک دیہات میں پہنچے۔ وہاں ایک بزرگ کا قیام تھا۔ ان کی نگاہِ بصیرت، جمالِ غوثیت پر پڑی تو سمجھ گئے کہ یہ ذرہ آسمانِ ولایت پر آفتاب بن کر روشن ہونے والا ہے۔ اس بزرگ نے آپ سے فرمایا: سن عبدالقادر طالبانِ حق کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ پھر انھوں نے آپ سے یہ عہد لیا کبھی کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ چناں چہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری عمر اپنے اس عہد پر پابند رہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات میں بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ ●

درس قرآن

"..... اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، وہ آگ کیسی ہے؟ اس آگ کا ایندھن لکڑیاں اور کوئلے نہیں ہیں، بلکہ اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور اس آگ کے اوپر اللہ پاک کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے قوی اور تند خو ہیں، سخت مزاج ہیں....." (سورہ تحریم)

درس حدیث

"..... حضرت عائشہؓ آپ کے اچھے سلوک اور برتاؤ کا حال اس طرح سناتی ہیں کہ آپ نے کبھی کسی غلام کسی عورت، کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا اور جب بھی گھر میں داخل ہوتے اور مسکراتے ہوئے داخل ہوتے....." (ترمذی)

"فجر کی نماز فرشتوں کے جمع ہونے کا وقت ہے، اور اس وقت رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں"۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دختر
خاتونِ جنّت بی بی فاطمہ زہرا بتول رضی اللہ عنہا

کاتب محمّد شریف برکاتی۔ آمبور

اللہ نے اپنے نور سے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تخلیق فرمائی اور دنیا کے لیے رحمت بنا کر مکہ میں خاندانِ قریش کے سردار عبدالمطلب کے لاڈلے بیٹے حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہ کے بطن سے اس عالمِ فانی میں بھیجا۔

آپؐ کی ولادت سے پہلے عرب کے علاقہ میں گناہ، گندگی، شراب، جوا، زنا، بت پرستی، ناچاقی، نفرت، حسد اور جنگ و جدل چھایا ہوا تھا۔ دوسرے ملکوں یورپ میں لاعلمی، جہالت اور اندھیرا کا راج تھا۔ ایران میں آتش پرستی اور ہر قسم کی بدعنوانیاں پھیلی ہوی تھیں، ہندوستان میں بت پرستی، جادو مکر اور ذات پات کا دور دورہ تھا۔ دنیا پر ظلمتوں اور برائیوں کی حکومت تھی۔

ایسے پاپ اور گھور اندھیرے میں سرزمینِ عرب میں، مکہ کے لق و دق غیر ذی زرع مقام میں آپؐ کی ولادت ہوی۔ شیطان پہاڑوں میں چھپ چھپ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، برائیاں اور تاریکیاں متزلزل ہونے لگیں۔ بت خانوں میں بت اوندھے منہ گر پڑے فارس کا آتش کدہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ غرض ظلمت کے پردے سے نور کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

ولادت سے چھ مہینے پہلے باپ نے آنکھیں بند کرلیں۔ ماں نے اپنے لختِ جگر کو چار سال تک بی بی حلیمہ کے حوالہ کیا پھر آپؐ یسیر بھی ہوگئے۔ بچپن اور لڑکپن میں دادا اور چچا نے پرورش کا ذمہ لیا۔ اپنے چچا کے ساتھ دو تجارتی سفر کیے۔ یتیموں، غریبوں اور ناداروں کی مدد کیے، امین اور صادق لقب پایا۔ پچیس سال کی عمر میں ایک مال دار بیوہ بی بی کا مال تجارت لے کر سفر کیا۔ آپؐ کی صداقت، دیانت اور امانت داری اور خوش اخلاقی اور خوش معاملگی پر گرویدہ ہو کر اس مالدار بیوہ نے اپنے آپ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔

اپنے سرپرست چچا ابو طالب اور چند رشتہ داروں کے ہمراہ بی بی خدیجہؓ کے گھر پہنچے۔ چچا نے نکاح پڑھایا اور آپؐ کی ازدواجی زندگی شروع ہوی۔

بی بی خدیجہؓ ۵۵۵ یا ۵۵۶ء میں پیدا ہوئیں۔ ابتدا ہی سے نیک نہاد اور عفت مآب تھیں۔ آپؓ کا سلسلۂ نسب

باپ کی طرف سے : خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تک جا ملتا ہے۔ یعنی چوتھی پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب ملتا ہے

ماں کی طرف سے : خدیجہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر توئی اس طرح ماں کی طرف سے دسویں پشت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے جا ملتا ہے۔ آپؓ دونوں طرف سے نجیب الطرفین ہیں۔ آپؓ زمانہ جاہلیت میں بھی طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ زمانۂ اسلام سے پہلے آپؓ کی شادی ابو ہالہ سے ہوئی۔ دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائد مخزومی سے ہوا۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

آپؓ کے والد خویلد ضعیف ہو گئے تھے۔ تجارت کی باگ ڈور بی بی خدیجہؓ نے سنبھالا۔

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بی بی خدیجہ کے بطن سے سات بچے پیدا ہوئے۔ تین صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں۔ زینبؓ رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوئیں اور یہ سب کے سب بعثت سے پہلے پیدا ہوئی تھیں اور صاحب زادے قاسم، طاہر اور عبداللہ بالکل کم عمری میں بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

اس سے پہلے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے اور صاحب زادیوں کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ اس اشاعت میں صرف خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں لکھیں گے۔

بروز جمعہ، طلوعِ آفتاب کے وقت ۲۰ جمادی الآخر ۶۱۱ء کو بی بی فاطمہ پیدا ہوئیں۔ اس وقت بی بی خدیجہؓ کی عمر ساٹھ برس کی تھی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اکتالیس ۴۱ برس کے ہو چکے تھے۔

آپؓ کا نام نامی فاطمہ، لقب زہرا ہے۔ زہرا کی معنی سپیدئ حسن اور شگوفہ کے ہیں۔ یہ اسم صفت ہے۔ بی بی فاطمہ چوں کہ گندمی رنگ کی تھیں لہٰذا یہ نام رکھا گیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر آپؓ کو زہرا کہہ کر ہی خطاب فرماتے تھے۔ البتول، سیدۃ النساء، افضل النساء، خیر النساء الصدیقہ آپؓ کے القاب ہیں۔

بتول = کاٹنے اور قطع کرنے والا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ کی راہ میں دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اس لیے آپؓ کو فاطمہ بتول کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

جب آپؓ کی عمر پانچ سال کی تھی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ باوجود سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ سر پر موجود تھا لیکن قدرتی غمزدگی آپؓ پر وارد تھی۔ چہرہ پر اداسی اور گویائی پر خاموشی طاری ہو گئی۔ مایوسی حد سے

بڑھ جاتی تو اشکبار ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھی سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتیں کہ ابّا جان! اماں کہاں گئیں ہیں؟ حضورؐ تسلّی فرماتے کہ وہ ایسی جگہ گئی ہیں، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بچّوں کی پرورش غور و پرداخت، گھر کے کام کاج اور انتظامِ خانہ داری کے لیے اُمّ المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا اس نکاح سے حضرت فاطمہؓ اور بہنوں کی تکلیف کسی قدر کم ہوگئی۔ اپنی بڑی بہنوں سے کھیلتیں۔ بہنیں پڑوس میں جاتیں مگر آپؓ گھر سے قدم نہیں نکالتیں۔ تنہائی اور خاموشی نے آپؓ کو متین بنا دیا تھا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلام سے عشق تھا۔ نبوت کا بار آپؐ پر سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے سوار تھا۔ آپؐ کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نُور تھیں۔ جب تبلیغ سے فرصت ہوتی تو فاطمہ زہراؓ پر توجہ فرماتے، دل بہلاتے اور دلاسا دیتے۔ گھر کا حال یہ تھا کہ ایک وقت روزی تھی تو دوسرے وقت روزہ۔ یہ افلاس و فقر و فاقہ آپؓ کو ضبط و تحمل کا مالک بنا دیا۔ جناب زہراؓ کے پاس اُن کی ہمنام بی بی فاطمہؓ بنت اسد، فاطمہؓ بنت زبیر، اسماءؓ و عائشہؓ بنتِ ابوبکرؓ، حفصہؓ بنت عمر خطابؓ جن کے گھر پاس پاس تھے آکر بیٹھا کرتی تھیں۔ یہ ہی ہستیاں تھیں جو آپؓ کی سہیلیاں تھیں۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کفارانِ قریش کے سامنے اسلام پیش فرمایا تو انھوں نے طرح طرح سے آپؐ کی راہ میں روڑے اٹکانے، تکلیفیں دینے اور احترام میں خلل ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کفر و اسلام کی کشمکش، اسلام دشمنی کا سلسلہ، صداقت اور سچائی کی مخالفت کا یہ وطیرہ آپؓ کے مشاہدہ میں رہا۔ اپنے عظیم باپؐ کے عظیم مقصد کو سمجھتی تھیں اور درد محسوس کرتی تھیں۔ صدق و دیانت کی اشاعت میں اپنے باپؐ کی لگن اور انصرام کو دیکھ کر صدق و صفا، مستقل مزاجی، صبر، رضا، احتیاط اور ایمان داری کے جذبات ابھرنے لگے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کافروں کے سرگروہ عتبہ اور شیبہ وغیرہ نے اونٹ کی اوجھڑی (پوٹا) جو اسی دن ذبح کیا گیا تھا سجدے کی حالت میں آپؐ کی گردن پر لا ڈالا۔ بوجھ سے آپؐ سر اٹھا نہ سکے بی بی فاطمہؓ کو معلوم ہوا تو دوڑ پڑیں اور اس آلائش کو آپؐ کی گردن سے ہٹانے لگیں اور ان کافروں کو بد دعائیں دیں۔ وہ جنگِ اُحد میں واصل بجہنم ہو گئے۔

باپؐ کی آغوش ہی آپؓ کی درس گاہ تھی۔ نبیؐ کریم صلعم کی آغوشِ رحمت میں بہت کچھ حاصل کیا اور تربیت کی وجہ سے برکت، رحمت، علم و فضل کی آفتاب بن گئیں۔

اُمّ المؤمنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں ایک بار اُن کے عزیز کی شادی تھی۔ اس تقریب میں شرکت

اپنی بچیوں کے لیے نئے کپڑے اور زیور بنایا اور اپنی لاڈلیوں کو آراستہ و پیراستہ کرکے شرکت کے لیے بھیجا لیکن زہرا بتولؓ نے زیور پہن کر شادی میں شریک ہونے سے انکار کردیا۔ ایک دن حضرت فاطمہؓ نے اپنی ماں سے سوال کیا: اللہ کی قدرتیں تو ہمیں ہر وقت نظر آتی ہیں، کیا اللہ کا دیدار بھی کبھی نصیب ہوگا۔ تو اُم المؤمنینؓ نے ارشاد فرمایا: ہم دنیا میں نیک کام کریں، لوگوں سے اچھا سلوک کریں، اللہ کے احکام کی تعمیل کریں اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں تو یقیناً حشر کے بعد خوشنودیٔ رب کے مستحق ہوں گے، یہی اللہ کا دیدار ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف سے اطمینان ہوگیا اور اُم المؤمنین حضرت سودہؓ نے اس فرض کو بخوبی نبھایا۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے عظیم باپؐ سے بہت محبت تھی۔ کیوں کہ سرکار دو عالمؐ بھی آپؓ سے بہت الفت رکھتے تھے۔ بہت عزیز رکھتے تھے۔ زہرا بتول کے اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے، بول چال، لباس وغیرہ میں اپنے عظیم باپؐ کی تقلید کو فخر سمجھتیں۔ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے تمام حرکات و سکنات میں فاطمہؓ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری تقلید کرتے دیکھا ہے۔ بلاشبہ سرکار دو عالمؐ سے بہت زیادہ مشابہت فاطمہؓ ہی رکھتی تھیں" اُم المؤمنین اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: "رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا فاطمہؓ ہی تھیں۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آپؓ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ لڑائی یا سفر سے واپس آتے تو مسجد میں دوگانہ ادا کرکے پہلے بی بی فاطمہؓ کے گھر جاتے پھر ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے تھے۔ جب کسی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں آپؓ سے مل کر رخصت ہوتے تھے۔ جب بھی فاطمہ زہراؓ حاضرِ خدمت ہوتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے، اپنے پاس بٹھا کر سر اور آنکھوں پر بوسہ دیتے۔ جب حضورؐ آپؓ کے گھر جاتے تو زہرا بتولؓ بھی اسی طرح کرتی تھیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد دس سال تک مکہ میں اشاعتِ اسلام کی اور بہت سی مصیبتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ پایہ استقامت میں تزلزل نہ آیا جتنی تکالیف اور مصائب بڑھتیں اتنے ہی زور شور سے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم وحدانیت کی اشاعت کرتے۔ بت پرستی اور شرک سے روکتے۔ مگر یہ کفار اور مشرکین آپؐ پر سختیاں اور مشکلیں کھڑی کر دیتے۔ ایک دن مشرکینِ مکہ دارالندوہ میں آپؐ کے قتل کا مشورہ ہوا۔ ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر نوجوان کو چنا گیا۔ رات کو سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر لیا۔ سویرے جب حضور اکرمؐ گھر سے باہر آئیں تمام جوان بیک وقت آپؐ پر وار کردیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اس منصوبہ کی خبر دے دی۔ آپؐ سویرے گھر سے

آپؐ سویرے گھر سے باہر آئے اور ایک مٹھی مٹی لے کر سورۂ یٰسین کی آیتیں تلاوت کر کے دَم کیا اور مٹی کو بکھیر دیں اور ہجرت کر کے مدینے کو چل دیے ۔ اس سفر کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے اونٹوں کو تیار کیا تھا کہ انتظار تھا کہ ہجرت کا حکم کب ہوگا ۔ ہجرت کا حکم ہوتے ہی سرکار دوعالمؐ اور حضرت ابوبکرؓ اپنے اہلِ عیال کو مکہ میں چھوڑ مدینہ کی طرف چلے ۔ مدینہ میں قیام کے بعد آپؐ نے زید بن حارثہؓ اور رافعؓ کو اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن ابوبکر کو مکہ بھیجا دونوں کے اہل وعیال کو مدینہ بلوا لیا ۔ زید بن حارثہؓ اور رافعؓ نے حضرت فاطمہؓ، اُم کلثوم اور اُم المؤمنین سودہ بنتِ زمعہؓ، اسامہ بن زیدؓ اور اُن کی والدہ اُم ایمنؓ کو اور عبداللہ بن ابوبکرؓ نے اپنی والدہ اُم رومانؓ اور دیگر عزیز و اقارب کو مدینہ لے آئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے نئے گھر میں رہنے لگے ۔

نکاح

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے بعد زہرا بتولؓ بھی سنِ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں ۔ سردارانِ عرب نے نکاح کی درخواستیں بھیجیں ۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے ۔ آپؐ نے جواب دیا کہ فاطمہؓ ابھی کم سن ہے، یہ رشتہ ٹھیک نہ ہوگا ۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور سعد بن وقاص بیٹھے حضرت فاطمہ کا ذکر کر رہے تھے کہ سردارانِ عرب اور اکابر قریش نے خواستگاری کی درخواستیں دیں مگر حضور اکرمؐ نے منظور نہیں فرمایا ۔ اب علیؓ باقی ہیں اور اب تک انھوں نے درخواست نہیں دی ۔ اگر وہ درخواست دیں تو پیغام منظور فرمالیں ۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر حضرت علیؓ کی تلاش میں نکلے ۔ حضرت علیؓ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے تھے ۔ سب نے مل کر علی مرتضےٰؓ سے کہا : اگر وہ فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست پیش کریں تو ضرور منظور ہوگی ۔ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہٗ نے کہا ، افلاس، تنگ دستی، فقر و فاقہ کی وجہ سے مجبور اور معذور ہوں ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا : حضور اکرمؐ کی نگاہ میں مال و دولت کی وقعت نہیں ، اگر حضورِ نبیؐ میں درخواست کریں تو یہ درخواست رد نہ ہوگی اور حضورؐ خوشی سے منظور فرمالیں گے ۔ ان احباب کے کہنے سننے سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوے ۔ اس وقت آپؐ ام المؤمنین حضرت سلمہؓ کے گھر میں تھے ۔ دستک دی، کواڑ کھلے اور آپؓ اندر بلا لیے گئے ۔ ایک گوشہ میں سر جھکائے بیٹھ گئے ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا : علی ! شرم حیا نے زبان روک لی ہے ، آخر کہو تو سہی کیا بات ہے ۔ آپؓ نے سر جھکائے دست بستہ اپنی حالت بیان کی حضور کی کرم فرمائیوں اور شفقتوں، مہربانیوں اور لطف فرمائیوں کا ذکر فرما کر عرض مدعا یوں پیش فرمایا کہ فاطمہ زہراؓ کی درخواست ہے ، شرفِ فرزندی سے ممتاز فرمایا جائے ۔ حضورؐ نے سماعت فرما کر ارشاد فرمایا : نکاحِ فاطمہؓ کے لیے تمہارے پاس کس قدر سرمایہ ہے ؟ آپؓ نے عرض کیا : ایک تلوار ہے ، ایک اونٹ اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا : تلوار تو کام کی چیز ہے ۔ اونٹ بھی ضروری ہے

آج کل ہروقت جہاد کی ضرورت ہے آمدورفت کے لیے اونٹ ضروری ہے۔ رہی زرہ جو کارآمد ہے، مگر اس کے بغیر بھی گزارہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا زرہ کو فروخت کردو اور اس کی قیمت لے آؤ۔

جناب مرتضٰے رضی اللہ عنہ نبی اکرمؐ کے فرمان پر زرہ فروخت کرنے لے گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چارسو اسی درہم میں خرید ا اور قیمت آپؓ کے سپرد کردی اور فرمایا۔ اس زرہ کا مالک ہوں۔ مجھے اختیار ہے جو چاہوں سو کروں حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ آپؓ کی ہی ملک ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: علیؓ! مجھ سے زیادہ آپؓ اس کے زیادہ حقدار ہیں اور میں یہ زرہ بطور ہبہ شرعی آپؓ کو دیتا ہوں۔ یہ آپؓ کو ہی مبارک ہو۔ اس کے بعد علیؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور تمام ماجرا گوش گزار کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے حق میں دعا فرمائی۔ چارسو اسی درہم آپؐ کے حوالے کردی۔ آپؐ نے مٹھی بھر درہم اٹھا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالے کرکے فرمایا کہ اس کی خوشبو خرید لاؤ ساتھ ہی جہیز کی تیاری کا بھی حکم دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ جملہ اصحاب (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمٰن رضوان اللہ علیہم) اور انصار کو بلا لاؤ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ وحی ہوچکی تو حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے کرا دوں۔ پھر آپؐ گھر تشریف لے گئے اور بی بی فاطمہؓ سے فرمایا کہ علیؓ تم سے نکاح کے خواستگار ہیں۔ یہ سُن کر بی بی فاطمہؓ چُپ رہیں۔ پھر آپؐ مسجد تشریف لے آئے۔ سب لوگ حاضر تھے۔ آپؐ نے وحیِ ربّ العزت کو سُنا کر کہا میں فاطمہؓ کا نکاح علیؓ ابن ابی طالب سے گواہانِ عادل کے روبرو ایجاب و قبول کراتا ہوں اور آپؐ نے خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا۔

حضرت علیؓ اس وقت کسی کام سے بازار گئے تھے۔ دورانِ خطبہ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے تبسم فرمایا اور علیؓ سے یوں گویا ہوئے کہ چارسو مثقالِ مہر کے عوض فاطمہؓ کو تمہارے نکاح میں دے دیا کیا تم کو منظور ہے؟ شیرِ خدا علیؓ نے کہا: بسر و چشم منظور ہے۔ پھر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: جمع اللّٰہ شملکما وعزوجل کما وبارک علیکما واخرج منکما کنزاً طیباً۔ ترجمہ اللہ تم دونوں کی پراگندگی جمع کرے اور تمہاری سعی مشکور کرے۔ تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم سے پاک اولاد پیدا ہو۔ (المواہب)

آپؓ کا جہیز

۱۔ ایک فرش خواب مصری کپڑے کا جس میں اون بھری تھی۔ ۲۔ ایک فرش چرمی۔ ۳۔ دو تکیے۔ ایک میں اون دوسرے میں پوستِ خرما۔ ۴۔ ایک چادر ریشمی۔ ۵۔ دو مٹی کے برتن پانی کے واسطے۔ ۶۔ دو چادریں۔ ۷۔ دو بازوبند نقرئی۔ ۸۔ ایک قطیفہ چادر کلاں۔ ۹۔ ایک چکّی۔ ۱۰۔ ایک مشک۔ ۱۱۔ ایک پیالہ ۱۲۔ ایک

پلنگ ۔۱۳۔ ایک جا نماز ۔ آپؐ نے جب ان کو دیکھا تو دُعا فرمائی : یا اللہ! ان کو برکت عطا فرما ۔ یہ نکاح ۲ سنہ ہجری میں ہوا ۔ اس وقت بی بی فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال پانچ مہینے تھی (ابنِ حجر) اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال تھی ۔

وداع

نکاح کے چھ، سات مہینے گزر گئے ۔ اس عرصہ میں حضرت علیؓ نے حارثہ بن نعمان کا ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا ۔ ایک دن حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ بن ابی طالب حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اب رخصتی ہو جائے ۔ حضرت علیؓ نے بھی عرض کیا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں ۔ اُم ایمنؓ کی رائے سے ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں پہنچے ۔ حضرت اُم سلمہ اور دوسری ازواجِ مطہرات بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئیں ۔ جہاں حضور اکرمؐ تشریف فرما تھے ۔ ازواجِ مطہرات نے فرمایا کہ علیؓ رخصتی کے خواہشمند ہیں اور ہم سب کے سب رخصت کرتے تیار ہیں اور خوش ہیں ۔ اب کس بات کا انتظار ہے ۔ درمیان میں حضرت خدیجہؓ کا ذکر بھی آیا ۔ حضورؐ کی اجازت پاکر حضرت علی کو بلایا گیا اور چند درہم دے کر فرمایا کہ بازار سے چھوہارے اور پنیر لے آؤ ۔ حضرت علیؓ نے یہ سب اشیاء لاکر پیش کر دیں حضورؐ نے دسترخوان بچھایا اور یہ تمام چیزیں دسترخوان پر رکھ دی گئیں ۔ جیس (گھی اور روٹی کا مخلوط مالیدہ) بنایا اور حکم دیا باہر جاؤ اور جو بھی مسلمان ملے اسے اندر لے آؤ ۔ مہاجر اور انصار کی جماعت آئی اور جیس (مالیدہ) کھاکر چلی گئی ۔ ایک مٹی کا پیالہ میں جیس بھرا اور فرمایا یہ فاطمہؓ اور اس کے شوہر کا ہے ۔ اس کے بعد ازواجِ مطہراتؓ نے مالیدہ کھایا ۔ پھر بی بی فاطمہؓ کو سامنے لایا گیا ۔ اس وقت چہرۂ مبارک پسینہ سے تر تھا ۔ آپؐ کے چہرے سے ردا ہٹائی بائیں طرف سینہ پر بی بی کا سر رکھا اور پیشانی کے درمیان بوسہ دے کر بی بی کا ہاتھ علیؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا : اے علی! پیغمبر کی بیٹی تجھے مُبارک ہو ۔ اے فاطمہ! تیرا شوہر بہت اچھا ہے ۔ اب تم میاں بیوی اپنے گھر جاؤ

بی بی فاطمہ زہرا بتول شیرِ خدا علی کے گھر میں

بی بی بتولؓ وداع ہو کر اپنے قابلِ تعظیم شوہر علیؓ بن ابی طالب کے گھر پہنچیں ۔ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار ۔ اگر کسی معمولی بات پر شکر رنجی ہو جاتی رسالت پناہؐ کی مُؤثر نصیحتیں بدمزگی کو دُور فرما دیتیں ۔ بی بی فاطمہؓ تقدس و عصمت کا شمسِ تاباں تھیں ۔ اخلاق و اعمال کا قبلہ تھیں ۔

جنابِ سیدہ بتولؓ کا دستور تھا کہ پہلے شوہر اور بچوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کرتیں اور ان کے بعد آپؓ کھایا کرتیں گھر کا سارا کام مثلاً روٹی پکانا ، جھاڑو دینا ، چکی پیسنا پورا کر لیا کرتیں اور حضرت علیؓ باہر کا کام سودا سلف لانا ، اونٹ چرانا اور گھر کے خرچ کی ذمہ داری تھی

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بتولؓ کو چپ چاپ اور پریشان بیٹھے دیکھا اور فرمایا : اے پیاری زہرا بتولؓ!

ملول نہ ہو۔ اہلِ بیت میں علیؓ سے بہتر کوئی نہ تھا جو تیرا خاوند بنے۔ علیؓ تنگ دست ہے تو بھی پرواہ نہیں۔ دُنیا کا یہ افلاس چند روزہ ہے۔ عقبیٰ کے خزانے تمہاری ملک ہیں۔ اللہ غنی وانتم الفقراء۔ حضورؐ کا یہ ارشاد تسکین بخش ثابت ہوا۔ اللہ نے صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت علیؓ نے حارث بن نعمانؓ کا ایک گھر کرایہ پہ لیا تھا جو حضور اکرمؐ کے گھر سے دُور دوسری گلی میں تھا۔ حضور اکرمؐ اکثر ان کو دیکھنے تشریف لے جایا کرتے۔ دُوری کی وجہ سے آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: بتولؓ میں تم کو اپنے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ بی بی بتولؓ نے فرمایا: آپؐ کے قرب وجوار میں حارثہ کے بہت سے مکان ہیں۔ اگر آپؐ فرمائیں تو وہ ہمارے لیے کوئی مکان خالی کر دیں گے۔ حضورؐ نے کہا: حارثہ نے تو میرے لیے بہت سے مکان خالی کر چکے ہیں اب ان سے کہتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ یہ خبر حارثہ کو پہنچی۔ وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور حضورؐ کے مکان سے متصل جو مکان تھا اس کو خالی کر دیا اور حضرت فاطمہ اس میں آگئیں۔

حضرت شیرِ خدا کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اکثر مزدوری پر گزر بسر ہوتی تھی۔ ایک دن آپؓ کو کوئی مزدوری نہ ملی دونوں میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ شام کے وقت ایک تاجر کے مال کو اتروانے میں لگے۔ پہر رات گزر گئی۔ اسباب اتروانے کے بعد تاجر نے ایک درہم اُجرت دی۔ آپؓ نے لے لیا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ایک جگہ جَو کا غلّہ مل گیا۔ آپؓ نے جَو خریدے گھر آئے۔ حضرت بتولؓ نے جَو لیے اسی وقت پیسا، روٹی بنائی اور آپؓ کے سامنے رکھ دی۔ جب حضرت علیؓ سیر ہو گئے تو حضرت بتولؓ نے بھی کھا لیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں جب فاطمہؓ سے آپؓ کا عقد ہوا، میری گزران ہوتی تھی کہ رات کا بستر ایک مینڈھے کی کھال تھی۔ دن میں اپنے اونٹ کو اس پر چارہ کھلایا کرتا تھا اور رات کو وہی چمڑا ہمارا فرشِ خوابگاہ ہوتا تھا۔ خادم یا غلام ہمارے گھر میں نہ تھا۔ خود ہی سارا کاروبار کر لیتے تھے۔

فاطمہ زہرا بتول رضی اللہ تعالےٰ عنہا جگر گوشۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کثرت سے عبادت کرتی تھیں۔ اس پہ بھی گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و دیکھ بھال میں حضرت علیؓ کو کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔

افلاس وغنا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو سیّد الفقراء تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ تو زبدۃ المساکین۔ باپ کا گھر، شوہر کا گھر دونوں پہ افلاس ہی افلاس تھا۔ اس وقت سیدہ بتولؓ کا استقلال اور صبر واقعی قیمتی تھا۔ گھر کا کام کاج پیسنا، پکانا، گھر کی دیکھ بھال کرنا خود ہی کرتی تھیں۔ ایک بار ایک لڑائی بہت سی کنیزیں اور غلام

مالِ غنیمت میں آئے تھے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ زہرا بتول کو خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ جب آپؓ حضورؐ کے مکان گئیں تو معلوم ہوا کہ حضورؐ گھر میں تشریف فرما نہ تھے۔ انھوں نے اُم المومنین عائشہؓ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور آبلے آگئے۔ کام کاج سے اتنی فرصت نہیں کہ بچوں کی خبر لوں۔ لہٰذا حضورؐ ابا سے میرا آنا اور یہ واقعہ سنا دینا۔ جب حضور اکرمؐ تشریف لے آئے تو بی بی عائشہؓ نے بی بی بتولؓ کے آنے اور اُن کی ضرورت بیان کی۔

یہ بات سُن کر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم آپؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں میاں بیوی سونے کی تیاری کر رہے تھے حضورؐ کے آنے کی آہٹ سنی تو کھڑے ہو گئے۔ دونوں سے کہا کہ لیٹے رہو۔ آپؐ ان دونوں کے بیچ میں جا بیٹھے اور فرمایا: تم نے جس چیز کی درخواست کی ہے، اس سے بہتر ایک چیز تم کو دیتا ہوں۔ سُنو! جب تم دونوں میاں بیوی سونے کے لیے لیٹو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے خادم سے بہتر ثابت ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے جب حضرت علیؓ کی زبان سے زہرا بتولؓ کی حالت بتائی کہ چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے اور آبلے آگئے ہیں۔ پانی کی مشکیں ڈھوتے ڈھوتے سینہ نشانات سے نیلی فام ہو گیا ہے اور لباس جھاڑو لگاتے سے گرد سے اٹ جاتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ غریبانِ وطن (اصحابِ صفہ) جن کی کفالت میرے ذمہ ہے، اس ذمہ داری سے ابھی فارغ نہیں ہوا ہوں، ان کی بھوک پیاس، بے سروسامانی اور مصائب جو انؓ پر گزرتی ہیں اس کا میں ہی ذمہ دار ہوں، میں سو نہیں سکتا۔ ان کا انتظام کر لوں تو میں تمہاری طرف توجہ دوں گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ایک وقت کے بعد ہم کو کھانا نصیب ہوا والد صاحب اور ہم دونوں بھی کھا چکے تھے۔ امّی جان (زہرا بتولؓ) ابھی کھانے کے لیے نوالہ اٹھایا ہی تھا کہ دروازہ پر سائل نے آواز دی۔ "اے بنتِ رسولؐ! میں دو وقت سے بھوکا ہوں۔ میرا پیٹ بھر دو۔" سیّدہؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور سارا کھانا سائل کو بھیج دیا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت زہراؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت علیؓ کو موجود نہ پایا بی بی سے آپؐ پوچھا۔ تو زہرا بتولؓ نے کہا کہ ہم دونوں میں کچھ رنجش پیدا ہو گئی ہے اس لیے علیؓ غصہ ہو کر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ[1] نہ کیا۔ ایک صحابیؓ سے کہا کہ دیکھو علیؓ کہاں ہے؟ وہ تلاش کر کے آئے اور وہ کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

---

[1] قیلولہ دوپہر میں کھانا کھا کر کچھ دیر لیٹنے کو کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ مسجد تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ سو رہے ہیں اور اُن کے پہلو سے چادر گر گئی ہے اور اُن کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے۔ آپؐ قریب پہنچے اور اُن کے بدن کی مٹی پوچھنے (جھٹکنے) لگے اور فرمایا (قُمْ اَبَا تُرَاب، قُمْ اَبَا تُرَاب) اُو مٹی والے اٹھ، او مٹی والے اٹھ۔ اسی وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو ابوتراب کہا جانے لگا۔

ایک سفر سے واپسی میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ جب گھر پہنچے تو دیکھا دروازہ پہ زینت کے عمدہ کپڑے کا پردہ لٹکا ہے۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو چاندی کے کنگن پہنا رکھے ہیں۔ آپؐ اندر داخل ہو کر فوراً واپس ہو گئے۔ سیّدہ فاطمہؓ نے اس بات کو فوراً سمجھ لیا۔ اسی وقت پردہ ہٹا دیا اور کنگن اُتار دیے۔ دونوں نواسے کنگن لیے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ نے کنگن لے لیے اور ثوبانؓ کے ہاتھ دے کر کہا: ایک ہار عصب کا اور دو کنگن ہاتھی دانت کے لے آؤ۔ یہ میرے گھر والے ہیں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے حصہ کی عمدہ چیزیں اس زندگی میں کھا لیں (یہیں لیں)

حضرت سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت علیؓ سے فرماتے تھے کہ علیؓ! فاطمۃ الزہراؓ کی دل جوئی کرنا، اُسے تکلیف نہ دینا اور ادھر فاطمۃ الزہراؓ کو شوہر کی خدمت اور فرماں برداری کی تاکید فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جب تک فاطمۃ الزہراؓ زندہ رہیں دوسرا نکاح نہیں کیا۔

ایک بار فاطمہؓ اور حضرت علیؓ میں کسی بات پہ رنجش ہو گئی اور بی بی فاطمہؓ اپنے ابّا حضورؐ کے گھر تشریف لے آئیں۔ حضور اکرمؐ نے چہرہ پر پریشانی، غصّہ اور ناراضگی کے آثار دیکھے تو پہچان گئے کہ معاملہ کبیدگی کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ! اپنے شوہر کے گھر اور اس کو راضی کرو۔ اگر کسی بیوی سے اس کا شوہر ناراض ہو جائے تو اس سے اللہ تعالےٰ اور اس کا رسولؐ بھی ناراض ہوتا ہے۔ یہ سُن فاطمۃ الزہراؓ اپنے گھر گئیں اور حضرت علیؓ کو منا کر راضی کر لیا۔

ایک بار حضور اکرم صلعم کو معلوم ہوا کہ علیؓ اور فاطمہؓ میں کچھ اَن بَن ہے تو آپؐ کبیدہ خاطر اُن کے گھر پہنچے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں صلح کرا دی۔ اس کے بعد ہشاش بشاش خوش خوش گھر سے نکلے۔ صحابہؓ نے خوشی کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: میں نے ان دو میں صلح کرا دی جو مجھے دنیا میں سب سے عزیز اور سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ عنہا اور حیدر کرار، شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہ کے ذاتی شرف اور خصوصیات

حضرت زہرا بتولؓ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جگر گوشہ اور نورِ نظر تھیں۔

آپ رضؓ کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ (ابن ابوطالب) رسول اکرمؐ کے چچازاد بھائی اور شیر خدا تھے۔
حضرت زہراؓ اور علیؓ صبر و توکل و تقویٰ کے مالک تھے۔ علیؓ قناعت و شجاعت کے مالک۔
دونوں کی اولاد امام حسنؓ اور حسینؓ، جن کی قربانی اور شہادت قیامت تک امّت کو مصروف گریہ رکھے گی۔
سلسلۂ سادات سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم، بی بی فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے دنیا میں قائم ہوا۔
ایک بار حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ، جو نابینا تھے کسی ضرورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے ہوئے حضرت سیّدہؓ کے گھر پہنچے۔ اُن کو دیکھ کر سیّدہؓ کوٹھڑی میں چلی گئیں۔ جب وہ واپس چلے گئے تو آپؓ باہر تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: وہ تو نابینا ہیں تم نے پردہ کی کیوں تکلیف کی۔ آپؓ نے فرمایا: ابّا حضورؐ وہ اندھے تھے لیکن میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی۔
اولاد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی اولاد نرینہ زندہ نہیں رہی اور صرف آپؐ کی دختر بی بی فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ عنہا کی اولاد سے آپؐ کی نسل دنیا میں پھیلی۔
جناب زہرا بتولؓ کے تین بیٹے: حسنؓ حسینؓ اور محسنؓ۔ حسنؓ اور حسینؓ سے اولاد اور نسل پھیلی اور محسنؓ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔
زہرا بتولؓ کی تین بیٹیاں: زینبؓ، اُمِ کلثومؓ اور رقیہؓ
حضرت حسن رضی اللہ عنہ ۱۵ رشعبان المعظم ۳ سنہ ہجری کو پیدا ہوئے۔ اُم ایمنؓ اور اسماء بنتِ عمیسؓ کو حضورؐ فاطمہؓ کے گھر بھیج کر فرمایا کہ آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ پڑھ کر فاطمہؓ پر دم کرتی رہیں۔ آپؓ کی ولادت عصر کو ہوئی۔ اسماءؓ بنت عمیس کہتی ہیں کہ حضرت حسنؓ کے پیدا ہونے کے بعد میں خون نفاس نہ دیکھا تو تعجب ہوا۔ خدمت نبویؐ میں عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: میری بیٹی فاطمہ زہراؓ پاک ہے۔ بعد ولادت غسل فرمایا اور اسی دن شام کی نماز پڑھی۔ حضرت حسنؓ کا عقیقہ سرکار دو عالمؐ نے کیا اور بال منڈوا کر ہموزن چاندی خیرات میں دے دی۔
حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دوسرے برس ۴ یا ۶ رشعبان المعظم شنبہ ۴ سنہ ہجری کو حضرت حسینؓ پیدا ہوئے آپؓ کو حضورؐ کی گود میں لٹایا گیا۔ آپؐ رونے لگے۔ اسماء بنتِ عمیسؓ نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: اے اسماءؓ یہ میرا بیٹا میری امّت کے باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ فاطمہؓ کو یہ بات نہ بتاؤ۔ ساتویں دن آپؓ کا عقیقہ ہوا اور ختنہ بھی کئے گئے۔
پھر حضرت محسنؓ پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پائی۔

حضرت رقیہؓ بچپن ہی میں انتقال کر گئیں۔ دوسری صاحب زادی حضرت امِ کلثوم اور تیسری صاحب زادی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا۔ ان سے عبداللہ اور عون پیدا ہوئے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہٗ سر سے سینے تک اور امام حسین رضی اللہ عنہٗ سینے سے پاؤں تک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔

حجۃ الوداع

۱۰ھ ہجری میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان حج کے ساتھ ہی ایک مجمع کثیر مدینۂ منورہ میں جمع ہوگیا۔ ۲۵ ذی قعدہ بروز شنبہ ظہر کی نماز کے بعد شجرہ کی راہ سے ذوالحلیفہ پہنچے۔ تمام ازواجِ مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ حج کو جانے والوں کی کُل تعداد ایک لاکھ نفوس سے بھی بڑھ کر تھی۔ حج الوداع سے فارغ ہو کر مقام خم غدیر پر منزل کی اور ظہر کی نماز کے بعد آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اسلامی زندگی بسر کرنے اور وحدہٗ لاشریک کے احکام کی پیروی کرنے کی نصیحت فرمائی اور کہا کہ عنقریب میں دُنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔ تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جس کی عزت تم لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر کرنی چاہیے۔ پہلی چیز قرآن مجید، اس کی تلاوت اور اس پر عمل بہت ہی لازمی ہے۔ اس سے فلاحِ دارین پاؤ گے۔ دوسری چیز میرے نمونۂ اعمال واقوال اور اپنی اولاد (یعنی فاطمۃ الزہرا بتولؓ کی اور ان کی اولاد) ان کا احترام کرنا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ میرا مولا ہے اور میں ہر دین دار کا ولی ہوں۔ پھر جناب علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: میں جس کا ولی ہوں اُس کا یہ بھی ولی ہے۔ اے ربّ! علیؓ جس کے ولی ہوں تُو اس کا محافظ اور نگہبان رہنا اور جو اُن سے عداوت رکھے قیامت تک اس پر اپنا غضب نازل فرما۔ (ازالۃ الخلفاء)

آیۂ تطہیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دِن صبح میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ایک منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ آپؐ کے بڑے نواسے حضرت حسنؓ تشریف لائے آپؐ نے اُن کو اپنی چادر کے اندر لے لیا۔ پھر دوسرے نواسے حُسینؓ تشریف لے آئے، پھر حضرت فاطمہ زہراؓ تشریف لائیں، ان دونوں کو بھی اسی چادر کے اندر لے لیا اور بعد میں حضرت علیؓ آئے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر یہ آیت پڑھی: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل بیت ویطھرکم تطھیرا ہ (سورۂ احزاب: رکوع: ۴) حضرت ابو سعید خدریؓ کا قول ہے کہ آیت پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں (علیؓ فاطمہ حسن حُسین رضی اللہ عنہم)

کو اپنی چادر اڑھائی اور ارشاد فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ تو ان کو پاک کر اور نجاستِ ظاہری و باطنی ان سے دُور فرما۔

وفات

سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ابھی پورے چھ مہینے نہیں ہوئے تھے کہ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے بھی انتقال فرمایا۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ اور ۱۲ سنہ ہجری سہ شنبہ کی رات تھی کہ آپؓ کی روح پرواز کر گئی۔ حیدر کرار علی مرتضےٰ، حضرات حسنین اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم امہات المؤمنینؓ سب کے جگر چاک سینہ پارہ پارہ تھا۔

وقتِ نزع حضرت فاطمہؓ نے اسماءؓ بنتِ عمیس زوجۂ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا: کہ میری تدفین میں پردہ کا پورا لحاظ رکھنا۔ سوائے اپنے اور حضرت علیؓ اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔ تدفین کے وقت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ آپؓ کی یہ آرزو تھی کہ انھیں رات کے وقت دفن کیا جائے رات کو ہی آپؓ کا جنازہ اٹھایا جائے۔[1]

حضرت اسماءؓ اور حضرت علیؓ نے آپؓ کو غسل دیا۔ طبقات میں ہے کہ نمازِ جنازہ حضرت عباسؓ نے پڑھائی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے ایک مرتبہ ہم سب ایک مکان میں جمع تھیں۔ فاطمہؓ آئیں تو حسبِ عادت آپؐ نے بہت پیار سے اپنے پاس بٹھالیا اور فاطمہؓ کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا جسے سن کر وہ رونے لگیں۔ پھر آپؐ نے کچھ فرمایا تو ہنسنے لگیں۔ مجھے تعجب ہوا اور وہاں سے اٹھنے کے بعد فاطمہؓ سے پوچھا کہ پہلے رونے اور پھر ہنسنے کی کیا بات تھی؟ بی بی زہرؓا نے فرمایا: جس بات کو ابّا حضورؐ نے چھپایا ہے میں کیسے ظاہر کر دوں۔

سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے فاطمہؓ سے رونے اور ہنسنے کا بھید پوچھا تو فاطمہؓ نے کہا اب کوئی مضائقہ نہیں۔ ابّا حضورؐ نے پہلی بار یہ بات کہی کہ جبرئیلؑ رمضان میں ہمیشہ ایک مرتبہ قرآن مجید کا دورہ سنا کرتے تھے۔ اس سال رمضان میں دو مرتبہ سنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے۔ اس کو سن کر میں رو پڑی تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: دیکھو! سب رشتہ داروں سے پہلے تم مجھ کو جنّت میں ملو گی۔ تم جنّت میں عورتوں کی سردار ہو گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔

---

[1] طبقات ابن سعد: اصابہ اور اسد الغابہ میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔

جب وفات ہوگئی تو حضرت عائشہؓ آپؓ کو غسل دینے آئیں تو حضرت اسماءؓ نے اُن کو روک دیا۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر تشریف لے آئے اور حضرت اسماءؓ سے پوچھا: آنحضرت صلعم کی بیویوں کو آپؐ کی صاحب زادی کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بی بی فاطمہؓ نے مجھ کو اس کی وصیت کی ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اچھا ان کی وصیت پر عمل کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ اور اسماءؓ نے ان کو غسل دیا۔

آپؓ کے خصائل اور مناقب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلداری کا بہت خیال فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا:

فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ ایک روایت یوں ہے:

اسؓ کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے اور اس کی ایذا سے مجھے ایذا ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عادات اور سیرت اور صورت و گفتگو سے مشابہت کسی کی عادت و صورت اور گفتگو میں جتنی حضرت فاطمہؓ کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ حشر کے روز پردے کے پیچھے سے ایک منادی اعلان کرے گا کہ لے لوگو! آنکھوں کو بند کرلو، فاطمہؓ بنتِ سیّدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم گزر رہی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرمایا کرتے تھے ہمارے دل کو اللہ تعالےٰ کے بعد سب سے محبوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرا بتولؓ۔ حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے: ارقبو محمداً فی اھل بیتہ

حضرت فاطمہ زہرا بتول رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی دختر تھیں۔ آپؐ کی بڑی بہنیں بی بی زینبؓ، بی بی رقیہؓ، بی بی اُمّ کلثومؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں رحلت پاچکی تھیں۔ یہ صاحبِ اولاد بھی ہوئیں مگر ان سب کی رحلت بچپن ہی میں ہوچکی تھی۔ فاطمہ زہرا بتولؓ صاحبِ اولاد ہوئیں اور ان کی اولاد (امام حسنؓ اور حسینؓ) سے نسل پھیلی۔

فاطمۃ الزہرا بتولؓ کے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ آپؓ رسول مکرمؐ کی لختِ جگر، آنکھوں کا تارا، دل کا سہارا اور آپؐ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائیں۔ آپؐ کا خون انؓ سے ملا ہوا ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ " خاتونِ جنّت " (فاطمہ رض) خاتونانِ جنّت کی سردار ہیں۔
آپ رض کا نکاح شیرِ خدا حیدر کرار حضرت علی (ابنِ ابی طالب) کرم اللہ وجہہ سے ہوا، جو پروردۂ سرکارِ دو عالم ص تھے۔
ان سے دو امام (حسن رض اور حسین رض) جو بہت ہی مقدس دوش بردارانِ رسول اکرم ص تھے، پیدا ہوئے۔ جن کی امامت و شہادت نے اسلام کو سرسبز و شاداب اور ہری بھری کھیتی بنا دیا تھا۔

معاملۂ فدک

شافعِ محشر رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی اولادِ نرینہ زندہ نہ رہی تھی اور دختران بھی حیات مبارکہ میں پردہ کر چکی تھیں سوائے فاطمۃ الزہرا بتول رض کے۔ آپ رض سے مثل بیٹوں کے محبت فرماتے تھے۔ اگر قاسم رض یا ابراھیم رض زندہ ہوتے تو ممکن تھا آپ ص کی محبت میں کمی آجاتی لیکن قدرت کو منظور نہ تھا۔ آپ ص کی پوری محبت کی حق دار زہرا بتول رض ہی تھیں۔ ہبۂ فدک یا میراثِ فدک کا معاملہ بہت اہمیت پکڑ گیا تھا۔

قاموس اور مصباح اللغۃ میں لکھا ہے۔ فدک ایک بلدہ ہے جو مدینہ سے دو دن کی راہ پر ہے۔ خیبر سے ایک منزل۔ لسان العرب میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے۔ اس میں چشمے تھے، کھجور کے درخت تھے اور اللہ نے اسے اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر فئے[1] کیا تھا۔ یہ گاؤں ہجرت کے ساتویں سال صلحاً حضور اکرم ص کے ہاتھ آیا۔ رسول اللہ ص نے اس میں محصول ہونے والی جنس سے آدھا اُن کو دے دیتے تھے اور آدھا آپ ص کے پاس آتا۔ اپنے اہل و عیال کو رکھ کر باقی جو بچتا وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ فئے کا مال ذاتی ملکیت نہ تھی اس سبب سے میراث جاری نہیں ہوسکتی۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فدک کی پیداوار سے کچھ حصہ اپنی ازواج اور بچّوں پر خرچ کرتے تھے۔ باقی مسافروں اور غریبوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ آپ ص کے وصال کے بعد بعض نے حضرت فاطمہ زہرا رض کو یقین دلایا کہ فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ آپ رض حضور اکرم ص کی اولاد میں اور جائز وارث بھی ہیں۔ ابتدائے خلافت میں حضرت فاطمہ رض ابوبکر صدیق رض کے پاس آئیں اور اپنے والد بزرگوار کی وارث کی حیثیت سے فدک کا دعویٰ قرآن مجید کی آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ؀ کے تحت عدالت میں کر دیا۔ (تمہاری اولاد کے حصوں کے باب میں اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے جواب دیا کہ پیغمبروں کے مال میں وراثت کا مسئلہ جاری نہیں ہوسکتا۔ (لا نورث ما ترکنا ہ صدقہ) ترکہ کی بات آئی تو اس ترکہ میں ازواج مطہرات کا حصہ بھی ملتا ہے۔ بی بی عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

بقیہ ص 72 پر

---

[1] فئے اس مال غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار کے اموال سے بغیر جنگ و جہاد کئے حاصل ہوا ہو۔

راکبِ دوشِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے آئینے میں

مولوی حافظ محمد ابراہیم لطیفی : کرسپانڈنٹ مدرسۂ فیضانِ لطیفیہ : گنتکل

حضرت امام حسینؓ ۵ شعبان المعظم ۴ سنہ ہجری کو مدینۂ منورہ میں عالم وجود میں آئے۔ آپؓ کی ولادت کی پیش گوئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دی تھی۔ آپؓ کی ولادت کی اطلاع حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ملتے ہی آپ صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے مکان تشریف لے آئے۔ نومولود کو آپؐ کی گود میں دے دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا اور منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور کان میں اذان واقامت کہی اور برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ سے فرمایا : اے علیؓ تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا : یا رسول اللہ! میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے اتفاق نہیں کیا بلکہ حسینؓ نام تجویز فرمایا اور یہی نام رکھا گیا۔

حضرت امام حسینؓ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ ذبیحہ ذبح کر کے سر کے بال منڈوایا اور ان کے ہم وزن چاندی غرباء و مساکین میں تقسیم کروادی۔

حضرت امام حسینؓ کا بچپن اور ان کا لڑکپن ایسی مقدس ترین ذاتِ بابرکت کی آغوش میں گزرا جن کے اخلاق و کردار کی سند خدائے ذوالجلال نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کے الفاظ کے ساتھ عطا فرمائی۔ اس بارگاہ کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت حسینؓ کی سیرت مکمل اخلاقِ محمدیؐ کا ایک جیتا جاگتا نمونہ بن گئی۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم حسنین کریمینؓ کے تعلق سے یہ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور ہر اس شخص سے محبت فرما جو ان دونوں سے محبت کرے۔

ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں نماز پڑھا رہے تھے۔ سر مبارک سجدے میں رکھا ہوا ہے اور

حضرت حسینؓ آکر پشتِ مبارک پر بیٹھ گئے۔ اگر سرِ مبارک اٹھا دیا جاتا تو حضرت حسینؓ نیچے گر جانے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی تسبیح کو زیادہ طول دے دیا۔ یہاں تک کہ وہ خود سے اتر گئے اور آپؐ نے بقیہ نماز مکمل فرمائی۔

اسی طرح ایک مرتبہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؓ کو اپنے شانوں پر بٹھا کر بازار کی سیر کروا رہے تھے کہ خلیفۂ دوم فاروقِ اعظمؓ رضی اللہ عنہٗ سے ملاقات ہوی۔ آپؓ نے اس حسین منظر کو دیکھ کر فرمایا: نعم المرکب یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: اے اللہ کے رسولؐ کیا بہترین سواری ہے؟ خلیفۂ دوم فاروقِ اعظمؓ کے سوال پر سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں جواب دیا کہ نعم الراکب یا عمرؓ! اے عمرؓ! تم سوار کو بھی دیکھو کہ وہ کتنا خوب صورت ہے! رسول کریمؐ نے حضرت عمرؓ کی توجّہ حضرت حسینؓ کی طرف ملتفت فرما کے اس بات کو واضح کر دیا کہ پیغمبر کی الفت و محبت کے ساتھ حضرت حسینؓ کی محبت بھی ہونی چاہیے۔

عرب کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ اپنے بچوّں کی تعلیم و تربیت کے لیے وہ خاندان کے بزرگ و معمر حضرات کی خدمت بابرکت میں اپنے بچّوں کو لے جاتے اور ان کی نیک دعاؤں، بزرگانہ شفقتوں اور نوازشوں کے طالب ہوتے ہوئے ان کی رہنمائی تعلیم و تربیت کے لیے انھیں ان کے سپرد کر دیتے تھے۔

چناں چہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے اس دستور کے مطابق اپنے فرزندوں کو بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت و محبت میں دیتے ہوے فرمایا: یا نبی اللہ انحلهما من اخلاقك و شمائلك: اے اللہ کے نبیؐ! آپ صلے اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ کریمہ سے آراستہ فرمائیے۔

آپؓ نے چار نکاح فرمائے ہیں اور آپؓ کے اسماء مبارک ۱۔ حضرت شہر بانوؓ ۲۔ حضرت امّ لیلیٰؓ ۳۔ حضرت ربابؓ ۴۔ حضرت روحہؓ۔ حضرت امام حسینؓ بہت ہی فیّاض اور فراغ دل شخصیت کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسینؓ اپنے ارادت مندوں کو تعلیم و تلقین فرما رہے تھے کہ ایک کنیز آئی اور آپؓ کی خدمتِ بابرکت میں ایک گلاب کا تحفہ پیش کیا جس کو سونگھ کر آپؓ بہت محظوظ ہوے۔ اور کنیز کو بلا کر کہا کہ میں نے تمھیں آزاد کیا۔ لوگوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ یا ابنِ رسولؐ اللہ! ایک پھول کے عوض میں کنیز کو آزاد کر دینا، یہ انعام اس تحفہ سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوے سُنا ہے کہ کوئی تمھیں تحفہ پیش کرے تو تمھیں چاہیے کہ اس سے بہتر تحفہ اس کی خدمت میں پیش کرو۔ تاکہ اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل بھی ہو جاے اور خدمتِ خلق کا صلہ بھی مل جاے۔ یہ داد و دہش کا طریقہ اور عفو و درگزر کا انداز بعینہٖ سلطانِ دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے عملی کردار کے مشابہ ہے۔

جس کو ہم ہر جگہ حضرت امام حسینؓ کی زندگی میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ۔ یہ روش دیکھ کر صحابی رسولؐ حضرت امیر معاویہؓ نے تحریر کے ذریعہ یہ گزارش کی کہ: لاخیر فی الاسراف، یعنی اسراف میں خیر نہیں ہے ۔ حضرت امام حسین تو اپنی روش بدلنے والے انسان نہ تھے ۔ فوری جواب میں لکھا لا اسراف فی الخیر، خیر میں اسراف نہیں ہے ۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنی فلاح و بہبودی کے لیے سب کچھ قربان کر دیتا ہے مگر حضرت امام حسینؓ نے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے نانا جانؐ کی امت کی بقا و تحفظ کے لیے اپنے سارے خاندان کو کربلا کے میدان میں شہید کروا دیا ۔ مگر بیعتِ یزید کو قبول نہیں کیا ۔ آپؓ کے اس عمل نے جہاں دنیا میں صحیح نظامِ قانونِ اسلام کو قائم رکھا ۔ وہیں ایک آزادیٔ ضمیر کے اصول کو دنیائے عالم میں برقرار رکھا ۔ اگر امتِ محمدؐیہ صرف اسی ایک اصول پر عمل کرے تو زندگی کی کامیابی یقینی ہے ۔

ملفوظاتِ حسینؓ:

ہر امت کے اراکین بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے تلخ و شیریں تجربات کو اپنے متبعین کے لیے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ آنے والی نسل ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکے ۔ ایسے ہی حضرت امام حسینؓ کے ملفوظات ہیں جو امتِ محمدؐیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی و رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں :

۱ موت ذلت سے اور ذلت جہنم سے بہتر ہے ۔

۲ عزت کی موت ذلت و رسوائی کی زندگی سے کہیں بہتر ہے ۔

۳ لوگ موت کی حقیقت کو اگر سمجھ لیں تو انھیں دنیا ویران نظر آئے گی ۔

۴ عالم وہ ہے کہ جس سے لغزشات کا ظہور کم ہو ۔

۵ دولت جب بڑھتی ہے تو اس کے ساتھ غم بھی بڑھ جاتا ہے ۔

۶ انسان کا بہترین عمل وہ ہے جو عزت و آبرو بچانے کے کام آئے ۔

ڈاکٹر محمد نعمان باشاہ - ویلور

انسان کی زندگی میں مرض اور صحت کا سلسلہ اس کی پیدائش ہی سے لگا رہتا ہے۔ بلکہ موجودہ زمانہ میں جدید تحقیقات اور نت نئے آلات کے ذریعہ رحم مادر میں جنین کی حالت ہی سے مرض اور صحت کی نشاندہی ہورہی ہے۔ دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ صحت منداور تندرست رہا ہو یا ہمیشہ بیمار رہا ہو۔ اس لیے ہر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرض کے ازالہ اور صحت کی حفاظت سے غافل نہ رہے۔ اللہ نے ہر مرض کی دوا رکھی ہے اور یہ الگ بات ہے کہ اس دوا تک پہنچنے میں وقت لگ جائے اور اس عرصہ میں کوئی مرض لاعلاج سمجھا جائے تو یہ دوا کی عدم شناخت اور مرض کی عدم تشخیص کے اعتبار سے لاعلاج ہے۔ جب بھی کوئی صحیح اور موزوں دوا مل جائے تو اس کے ذریعہ شفا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

فاذا اصاب الدواء الداء: جب صحیح دوا مل جائے تو بیماری زائل ہو جاتی ہے۔

خالقِ کائنات کی فیاضی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جہاں وہ دواؤں کے ذریعہ بیماروں کو شفا دیتا ہے وہاں غذاؤں کے ذریعہ بھی مریضوں کو شفا دیتا ہے۔ چناں چہ مختلف کھانے پینے کی چیزوں میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو اپنے دامن میں غذائیت کے ساتھ ساتھ دوائیت کا عنصر بھی لیے رہتی ہیں۔

جیسا کہ شہد ہے جو غذائیت اور دوائیت۔ دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور یہ کئی ایک امراض کو زائل کرنے میں مفید اور موثر ہے۔ بلکہ طبِ یونانی کے حلویات اور معجونات میں شہد ایک ایسے جز کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور شہد کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مدتِ دراز تک خراب نہیں ہوتا۔ اور دوسری چیزوں کو بھی عرصہ دراز تک خراب نہیں ہونے

دینا۔ اسی لیے اطباء ہزاروں سال سے دوائیں تیار کرنے میں شہد کو شامل کرتے آ رہے ہیں اور یہ الکحل کے بجائے مستعمل ہو رہا ہے۔ اور اطباء معجونات میں شہد کو خاص طور پر اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اور ہر دوا کے استعمال کی غرض و غائت شفاء حاصل کرنا ہے۔ شہد کو عربی میں عسل کہتے ہیں اور یہ مکھی نما ضعیف جانور سے حاصل ہوتا ہے۔ اور شہد کی مکھی کو عربی زبان میں نحل کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک مستقل سورت اسی کے نام سے (النحل) موجود ہے۔ اس سورت کی ۶۸ اور ۶۹ ویں آیات میں شہد کی مکھی کا ذکر اس طرح آیا ہوا ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ
ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی عمارتوں میں اپنے لیے چھتے بنا اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ۔ ان شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب (شہد) نکلتا ہے۔ جن کے رنگ مختلف اور متعدد ہیں اور اس شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کو اس چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کی بڑی نشانی موجود ہے۔

اللہ نے الہام کے ذریعہ شہد کی مکھی کو گھر بنانے کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے یہ مکھیاں مختلف جگہوں میں چھتے بناتے ہیں اور مختلف علاقوں اور جنگلوں اور وادیوں میں پھیل جاتی ہیں اور متعدد اور مختلف انواع و اقسام کے پھلوں اور پھولوں کا رس چوس لیتی ہیں اور اپنے چھتوں کی طرف واپس آتی ہیں اور کبھی اپنی منزل کی طرف لوٹنے میں بھٹک نہیں جاتیں۔ ان کے پیٹ سے مختلف رنگوں اور متعدد ذائقوں سے بھرپور مشروب نکلتا ہے جس میں انسانوں کے لیے غذائیت اور دوائیت ہے۔

مفسر قرآن علامہ محمد شفیع پاکستانی نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں:

"شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے۔ اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح و سالم چلتا رہتا ہے۔ اس کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین و ضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، خود یہ "ملکہ" تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے یہ اپنی قد و قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو

مختلف امور پر مامور کرتی ہے۔ ان میں سے بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں بعض معماری اور انجنیئرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں۔ ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں۔ بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں۔ گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے۔ ان میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں پر بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں۔ جو ان کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہوتا ہے۔ یہ شہد ان کی اور ان کے بچوں کی غذا ہے۔ اور یہی ہم سب کے لیے بھی لذت وغذا کا جوہر اور دوا و شفاء کا نسخہ ہے۔ یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اور اپنی " ملکہ " کے حکم کو دل وجان سے قبول کرتی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے۔ ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

شہد کا ذکر مختلف احادیث میں بھی ملتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت مرغوب اور پسندیدہ تھا۔ اور آپؐ اسے عموماً استعمال کرتے تھے۔ امام بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد بہت پسند تھا۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث ہے: نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں میں شفا ہے فصد (پچھنے لگانا: ایک قدیم آلہ یا طریقہ ہے جس کے ذریعہ آدمی کے جسم سے فاسد خون نکالا جاتا تھا) شہد اور کئی (آگ سے داغ لگانا)۔ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مؤخرالذکر چیز یعنی داغ لگوانے سے منع کر دیا۔)

ایک مرتبہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بھائی کو اسہال (دست) کی شکایت ہو گئی ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: اپنے بھائی کو شہد پلاؤ۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو دوسرے دن وہ صحابی بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اسہال کی شکایت اسی طرح برقرار ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے پھر بھی شہد ہی پلانے کی ہدایت دی۔ دوبارہ شہد پلانے کے باوجود مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ تو آپؐ کی خدمت میں مریض کے گھر والے آ پہنچے اور آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: صدق اللہ و کذب بطن اخیک: اللہ کا فرمان (یعنی شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔) سچا ہے۔ تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ جاؤ اسے شہد ہی پلاؤ۔ چناں چہ تیسری مرتبہ بھی شہد ہی پلایا گیا، تو مریض شفایاب ہو گیا۔

موجودہ زمانہ میں جدید تحقیقات اور طبی تجربات کے ذریعہ شہد کا سائنسی مطالعہ اور تجزیہ کیا گیا ہے

جس کی روشنی میں کئی ایک حقائق سامنے ہیں۔ شہد میں "حیاتین"، "معدنی اشیاء"، "لوہا"، "تانبا"، "کیلشیم" وغیرہ موجود ہے اور شہد کا ایک خاص پہلو یہ بھی سامنے آیا ہے کہ یہ جراثیم کش بھی ہے اور اس کا استعمال ہر موسم میں ہر عمر کے لوگوں کے لیے مفید ہے۔ البتہ عمر کے لحاظ سے اس کی مقدار میں کمی و بیشی کا خیال رکھنا چاہیے۔ شہد کو نہار منہ استعمال کرنا بے حد مفید ہے جس سے خون صاف ہوتا ہے اور یہ کئی ایک امراض میں مفید ہے۔

ذیل میں چند مخصوص بیماریوں میں شہد کی افادیت بیان کی جاتی ہیں:

۱ شہد کافی کم مقدار میں سلاجیت کے ساتھ ذیابطیس میں بھی مفید ہے۔

۲ گردہ اور مثانہ کی پتھری کی شکایت عموماً خون کے زہریلے مادہ پیشاب سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ شہد کے استعمال سے یہ زہریلے مادے (جسے یورک ایسڈ کہتے ہیں) تحلیل ہو جاتے ہیں۔ لہذا پتھری کے مریضوں کو شہد کا استعمال رکھنا چاہیے۔ تاکہ اس کے اثر سے پتھری بننے ہی نہ پائے۔

۳ قبض: یہ ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔ اسی لیے حکماء ہر مرض کے علاج سے پہلے معدہ کی صفائی اور دفع قبض کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ رفع قبض میں شہد بہت مفید ہے۔ روزانہ نیم گرم پانی میں شہد کا استعمال کرنے سے یہ شکایت خود بخود دُور ہو جاتی ہے۔

معدے کی اکثر بیماریوں کو ختم کرنے میں شہد کا استعمال بڑی اچھی چیز ہے۔ امراضِ معدہ میں السر بڑی پریشان کن شکایت ہے ایسے مریض نہار منہ ناشتہ سے دو گھنٹے قبل شہد کا استعمال پابندی سے کریں تو یہ مرض ختم ہو سکتا ہے۔

زکام اور سردی کی شکایت والوں کے لیے شہد کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ اس کا مسلسل استعمال کرنے والے شخص کو زکام کی شکایت ہی پیدا نہیں ہوتی اور شہد سے تازہ خون پیدا ہوتا ہے اور جراثیم کش صفت کے باعث خون کی تازگی برقرار رہتی ہے جس سے دیگر امراض کے حملہ کا امکان بہت کم رہتا ہے۔

شہد سے متعلق مختلف قدیم وجدید حکماء اور اطباء نے بڑی مفید باتیں بیان کی ہیں:

i جالینوس کا کہنا ہے کہ شہد سر کی ساری بیماریوں میں مفید ہے۔

ii ڈاکٹر آرنلڈ لورینڈ کا کہنا ہے دماغی اور جسمانی محنت سے ضعف اور کمزوری محسوس ہو تو فوراً نیم گرم پانی میں شہد ملا کر پینے سے نئی قوت اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔

iii ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ کیلوج کا کہنا ہے کہ کسی طویل بیماری کے باعث مریض کا ہاضمہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شہد

(بقیہ ص 55 پر)

ٹی۔ شیخ محبوب صاحب : اننت پور

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ قوت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ کبھی وہ انسانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ساٹھ ہزار سال قبل ملائکہ کو آسمان میں بسایا اور جنّات کو زمین پر بسایا۔ جنّات زمین پر سات ہزار سال آباد رہے۔ پھر ان کے درمیان حسد، جلن، بغض و کینہ شروع ہوا۔ چناں چہ انھوں نے آپس میں خوب کشت و خون، جنگ و جدال کیا۔ اس وقت تک ابلیس جس کا نام عزازیل تھا، بہت مقبولِ بارگاہِ الٰہی تھا۔ تمام ملائکہ میں بڑا عالِم اور عابد تھا۔ اس کو حکم ہوا کہ اپنے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت لے جا کر جنّات کو زمین سے نکال کر جزیروں اور پہاڑوں کی طرف دھکیل دے۔ چناں چہ ابلیس جو جنّات کی جنس سے تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جو فرشتے ابلیس کے ساتھ زمین پر آئے تھے، وہ زمین ہی میں آباد کر دیئے گئے۔ اس طرح اب فرشتوں کے دو حصّے ہو گئے۔ ایک زمین والے اور دوسرے آسمان والے۔ (تفسیر نعیمی و بہار شریعت)

فرشتے وہی کرتے ہیں، جو حکمِ الٰہی ہے۔ خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، نہ قصداً نہ سہواً نہ خطاً: لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں اور ہر قسم کے صغائر و کبائر گناہ سے پاک ہیں۔ ان کے سپرد مختلف خدمتیں ہیں۔ بعض کے ذمّہ حضرات انبیائے کرام کی خدمت میں وحی لانا، کسی کے متعلق پانی برسانا، کسی کے متعلق ہوا چلانا، کسی کے متعلق روزی پہنچانا، کسی کے ذمہ ماں کے پیٹ میں بچّہ کی صورت بنانا، کسی کے ذمہ بدن انسان کے اندر تصرف کرنا، کسی کے ذمہ انسان کو اس کے دشمنوں سے حفاظت کرنا، کسی کے متعلق ذاکرین کا مجمع تلاش کر کے اس میں حاضر ہونا، کسی کے متعلق انسان کا اعمال نامہ لکھنا، کسی کے متعلق کثیر تعداد میں

دربار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا، کسی کے متعلق بارگاہِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کا صلوٰۃ و سلام پہنچانا۔ کسی کے متعلق مُردوں سے سوال کرنا، کسی کے ذمہ رُوح قبض کرنا، کسی کے ذمہ عذاب دینا، کسی کے متعلق صور پھونکنا، کچھ فرشتے عرش کو اٹھانے پر مقرر ہیں تو کچھ فرشتے عرش اعظم کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں، کچھ فرشتے جنّت میں مامور ہیں، کچھ فرشتے آسمانوں پر عبادت میں مصروف ہیں۔ (بہار شریعت)

اللہ تعالےٰ کے مقرب فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ یہ حضرات انبیائے کرام کی بارگاہ میں وحی لاتے تھے۔ مواہب اللدنیہ میں ہے کہ "بعض علماء فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ (۱۲) مرتبہ، حضرت یونس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس ۴۲ مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار ۱۰۴ مرتبہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس ۱۰ مرتبہ اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ۲۴ ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ (واللہ اعلم)

قرآنِ کریم کے سورۂ توبہ کی ایک سو اٹھائیسویں آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ کی تفسیر میں صاحب تفسیرِ رُوح البیان حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا: مجھے اپنی عمر کا اندازہ تو نہیں ہے، البتہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ طلوع ہوا کرتا تھا، جو ستّر ہزار سال کے بعد صرف ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا۔ میں نے اُسے طلوع ہوتے ہوئے بہتّر ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ سُن کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیل! مجھے میرے عزت والے رب کی قسم! وہ روشن ستارہ جسے تم نے بہتّر ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا ہے، وہ دراصل میں ہی تھا۔

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سائل بن کر حاضر ہوئے اور ایمان کے متعلق دریافت فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر، حساب پر، اچھی بُری تقدیر پر ایمان لانا۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسلام کے بارے میں پوچھا، اس کے جواب میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے پانچ امور بیان فرمائے یعنی شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا: اے جبرئیل! کیا آپ نے

دربار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہونا کسی کے متعلق بارگاہِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کا صلوٰۃ و سلام پہنچانا۔ کسی کے متعلق مُردوں سے سوال کرنا، کسی کے ذمہ رُوح قبض کرنا، کسی کے ذمہ عذاب دینا، کسی کے متعلق صور پھونکنا، کچھ فرشتے عرش کو اٹھانے پر مقرر ہیں تو کچھ فرشتے عرش اعظم کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں، کچھ فرشتے جنّت میں مامور ہیں، کچھ فرشتے آسمانوں پر عبادت میں مصروف ہیں۔ (بہار شریعت)

اللہ تعالےٰ کے مقرب فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ یہ حضرات انبیائے کرام کی بارگاہ میں وحی لاتے تھے۔ مواہب الدنیہ میں ہے کہ" بعض علماء فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ (۱۲) مرتبہ، حضرت یونس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس ۴۲ مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ اور حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ۲۴ ہزار مرتبہ نازل ہوے۔ (واللہ اعلم)

قرآنِ کریم کے سورۂ توبہ کی ایک سو اٹھائیسویں آیت لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٌ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ کی تفسیر میں صاحب تفسیرِ رُوح البیان حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: اے جبرئیلؑ! تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرئیل امینؑ نے عرض کیا: مجھے اپنی عمر کا اندازہ تو نہیں ہے، البتہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ طلوع ہوا کرتا تھا، جو ستّر ہزار سال کے بعد صرف ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا۔ میں نے اُسے طلوع ہوتے ہوے بہتّر ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ سُن کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! مجھے میرے عزت والے رب کی قسم! وہ روشن ستارہ جسے تم نے بہتّر ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا ہے' وہ دراصل میں ہی تھا۔

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سائل بن کر حاضر ہوے اور ایمان کے متعلق دریافت فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر، حساب پر، اچھی بُری تقدیر پر ایمان لانا۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسلام کے بارے میں پوچھا، اس کے جواب میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے پانچ امور بیان فرمائے یعنی شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا، اے جبرئیل! کیا آپ نے

کبھی اپنی پوری طاقت لگائی ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا: میں نے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا ہے:

ایک مرتبہ جب کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا، میں نے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا ہے۔ سدرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کیا: اگر حکم ہو تو اس آگ کو اپنے پروں سے بجھا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "میرا ربّ میرے لیے کافی ہے۔"

(۲) جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے تھے تو مجھے حکم ہوا کہ فوراً اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ایک دُنبہ لے کر پہنچوں۔ اس وقت میں نے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اُن کو کنوئیں میں ڈال رہے تھے۔ اس وقت مجھے حکمِ الٰہی ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے پانی تک پہنچنے سے پہلے اپنے نورانی پروں پر اُنؑ کو اٹھالوں۔ اس وقت بھی میں نے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا تھا۔

(۴) جب جنگ احد میں یارسول اللہ! آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو مجھے حکمِ الٰہی ہوا کہ اے جبرئیل! میرے محبوب کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے لو۔ اس وقت بھی میں نے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا تھا۔

اس نورانی مخلوق میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جو مقام و مرتبہ ہے، کسی دوسرے فرشتے کو حاصل نہیں ہے۔ ان ہی کے قریب قریب ہم مرتبہ تین فرشتے ہیں۔ جن کو عظیم ترین خدمات سونپ دی گئی ہیں۔ ایک حضرت میکائیلؑ جو بارش برساتے ہیں۔ دوسرے عزرائیلؑ جو انسانوں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں اور تیسرے حضرت اسرافیلؑ جو صور پھونکنے کی خدمت پر متعین ہیں۔ جن کے صور پھونکتے ہی ساری دُنیا فنا سے ہمکنار ہو جائے گی۔

غرض یہ فرشتے ہیں جن کے ذریعہ یہ کائنات کا نظم و نسق اور اس میں موجود ساری مخلوقات کا نظام قائم ہے۔
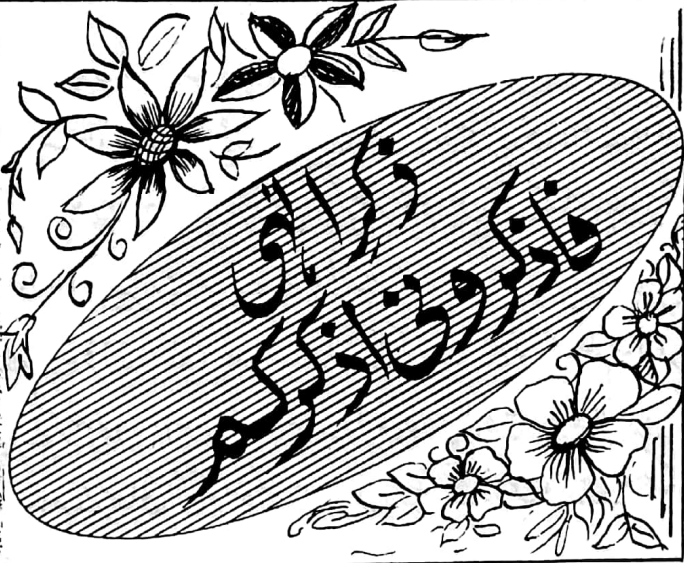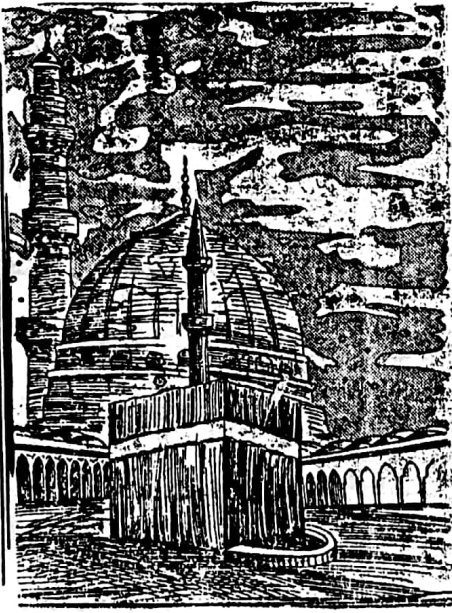
خواجہ محمد بیابانی نوری چشتی القادری۔ ادیبِ کامل (علیگ) اننت پور

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلی الہٖ واصحابہٖ واہلِ بیتہٖ اجمعین امابعد

بے شمار تعریفیں ذاتِ وجودِ مطلق کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے خلق کی تخلیق کی۔ کون و مکاں میں اس کا کوئی ہمسر و شریک نہیں ہے۔ اور اس کی ذات و صفات کے ازلی اسرار اور ابدی حقائق سے کوئی کماحقہٗ آگاہ نہیں ہے۔ اللہُ الصّمد ہے بے نیاز ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اپنی مرضی اور مشیت کے مطابق کرتا ہے۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے نہ بیٹا ہے لم یلد ولم یولد اس کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے منزہ ہے۔ یہاں دنیا میں جو کچھ ہے اسی کی بدولت ہے۔ آسمان، چاند، ستارے، سورج، عرش و کرسی اور ساری کائنات سب اُس کے نور سے جگمگاتے ہیں۔ وہ تمام مخلوقات و موجودات کی اصل اور حیات کا سرچشمہ ہے وہ اصل ہے اور تمام اشیاء اس کی فروع ہیں۔ جس طرح یہ چیزیں اس سے ظہور میں آئیں اسی طرح لوٹ کر اس کی طرف جانے والی ہیں۔ صرف وہی موجود اور معبود برحق ہے اور وہی ہماری منزل مراد اور مقصودِ حقیقی ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لاکھوں لاکھوں درود و سلام ہوں اور ان کی آل واصحاب اور ازواج مطہرات پر بھی اور آپ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ قیامت کے دن جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس وقت آپ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بڑے پیار پکاریں گے اور خطاکاروں اور گنہ گاروں کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دیں گے۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ذکر کرنے کا حکم کئی جگہ دیا ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے واذکروا اللہ کثیراً لعلکم

تفلحون ٥ اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ دوسری جگہ صاف و صریح انداز میں آگاہ فرمادیا کہ: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ٥ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں یعنی سکون چین و راحت پاتے ہیں۔ (سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔)

ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ مگر ذکر کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اٹھے، بیٹھے، کھڑے، لیٹے ہر حال میں ذکر سے بہتر کوئی کام نہیں۔ جسے بھی اللہ پاک ذکر دوام کی توفیق بخشے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سعادتِ دارین کا طغریٰ اس کی پیشانی کو مزین کئے ہوئے ہے اور اُسے خدا کا ہمنشیں ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "ذکر پاس وانفاس" کا بہترین و آسان طریقہ بیان فرمایا ہے، جو برادرانِ طریقت کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کو سب سے پہلے قلم بند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نے فرمایا، جو دم سینے میں اترتا ہے وہ ممدِ حیات ہے اور جو سانس باہر آتی ہے وہ مفرح ذات ہے۔ لہذا بندہ کو ہر سانس پر اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ ہر نفس میں دو حالتیں موجود ہیں اور ان دو حالتوں کا تحفظ لازم و واجب شمار کرنا چاہیے اس طرح جب سانس سینے سے باہر آئے تو لا الٰہ کہے اور جب وہ سینے میں اُترے تو الا اللہ کو اس کا ہمدم بنائے۔ اس طرح کوئی سانس ضائع نہ کرے۔ تو ایسا پاس وانفاس کا ذکر کرنے والا انسانوں کے درمیان اس طرح صاحبِ امتیاز رہے گا جس طرح شیر جنگل کے جانوروں کے درمیان ممتاز رہتا ہے۔ ؎

پیشۂ مرد چیست نفیٔ وجود　　　نہ رسی در سرائے الا اللہ

کسی عارف نے بہت خوب کہا ہے۔ یعنی جب تک تو 'لا' کی جاروب سے راہِ طریقت کو صاف نہیں کرے گا الا اللہ کی منزل تک کبھی رسائی نہیں ہوگی۔ ذرا غور کریں کہ 'لا' بشکلِ جاروب (یعنی جھاڑو) کے ہے اس لا کی جھاڑو سے دل کے اندر کے گرد و غبار کو یعنی غیر حق کے خطرات کو پاک و صاف کرنا چاہیے اس کے بعد ہی الا اللہ کی منزل تک رسائی ہوگی۔ ؎

پیشۂ مرد چیست نفیٔ وجود　　　مرد ایں پیشہ باش تا باشی

یعنی آدمی کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنی نفی کرے یعنی وہ اپنے وجود کی نفی کرے۔ اگر ہو سکے تو اس پیشۂ مردانگی کو ہمیشہ اختیار کرے اور اس راہ میں ثابت قدم رہے۔ جب اپنی نفی کا مقام حاصل کرلے گا تو بفضلہ تعالیٰ جمالِ توحیدِ الٰہی آئینۂ دل پر جلوہ فگن ہو جائے گا۔ اس طرح من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی حقیقت بھی اس پر منکشف ہو جائے گی۔ لا الٰہ الا اللہ افضل الذکر ہے۔ جس میں نفی و اثبات کا تذکرہ ہے۔ اس ذکر لا الٰہ الا اللہ کو کرتے وقت حضرت

قطب میسور سید محمد میر حیات قدس اللہ سرہٗ کا یہ شعر بھی ملحوظ رکھیں تو بہت جلد اس کلمۂ طیبہ کی حقیقت منکشف ہو جائیگی انشاء اللہ ہے

لَا اِلٰہَ سے سب جہاں نابود ہے   اور اِلَّا اللّٰہ سے حق موجود ہے

اس حقیقت کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کون و مکاں میں سوائے حق کے کوئی موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ بھی وہی ہے اور حس کی مدد سے ہم دیکھتے ہیں وہ بھی وہی ہے۔ جو کچھ غیر حق ہے اس کی محبت کو دل سے نکال دینا چاہیے تاکہ ہستی حق کا اثبات ہو سکے اس وقت اس کا محبوبِ حقیقی مطلوب حقیقی صرف جمالِ الٰہی اور جلوۂ ذات نامتناہی ہو جاتا ہے اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے:

بسا میری نظروں میں تو اس قدر ہے   جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری   جی میں یہ کس کا تصوّر آگیا   (درد)

حضرت عبداللہ سہل تستری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کوئی ثواب و اجر کوئی شئے نہیں ہو سکتی سوائے دیدارِ الٰہی کے کہ وہی دونوں جہاں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ باقی تمام اعمال صالحہ کا اجر جنّت ہے۔

حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ قدس سرہٗ العزیز "جلاء الخاطر" میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ یہ قلوب مردہ ہیں، ان کی جِلا (حیات) قرآن مجید کی تلاوت میں ہے۔ اور ذکر کی مجالس میں حاضری قلوب کو جِلا بخشتی ہے قساوتِ قلب کو دُور کرنے کے لیے حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ والرضوان کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے ذاکرین اور علماء اور اولیاء کرام کے ذکر میں رہا کر تاکہ دل کی قساوت کی شکایت دُور ہو جائے حقیقت میں یہی لوگ بادشاہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر زبان سے پھر دل سے کرنا چاہیے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کے ذکر کے ذریعہ شیطان کو شکست دینا چاہیے۔ لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین، سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ کے ذکر سے شیطان مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی شان و شوکت ٹوٹ جاتی ہے۔ حضور غوث پاک قدس اللہ سرہٗ نے ایک الہام میں فرمایا ہے کہ "جو شخص ذکر و فکر و مراقبہ کے ذریعہ حق تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس کو مشاہدہ نہیں ہوتا اور جس کو مشاہدہ حاصل نہیں ہوا ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ ظاہری بے جان اعمال میں مشغول کر دیتا ہے جس کی وجہ سے بجائے قرب کے دوری ہی ہوتی ہے۔ (الہامات غوث اعظمؒ)

اس سلسلہ میں حضرت سید عبدالرزاق قادری جھنجھانوی المعروف بہ شاہ العالمین قدس اللہ سرہٗ نے ذکر کی حقیقت کو بہت خوب سمجھایا ہے ملاحظہ فرمائیے: ~ (رُباعی)

یک نفس با یار بودن بہتر از ہر دو جہاں   چیست قدر دو جہاں پیشِ جمالِ جاوداں

بارک اللہ نیک اے دل تن بباز و جان نثار گر بخواہی تو نشان را از جمال بے نشاں

فرماتے ہیں کہ" دوست کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا دونوں جہاں سے بہتر ہے اس کے جمال جاوداں کے سامنے دونوں جہاں کی قدرو قیمت بھی کیا ہے ۔اگر تو چاہتا ہے کہ اس کے جمال بے نشاں کی جھلک تجھے نظر آجائے تو بارک اللہ اے صاحب عزم آ اور اس راہ میں جان وتن کی بازی لگادے ۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ" لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر کرتے وقت اس مطلب اور حقیقت کو خوب دھیان میں جمالے ۔

جب تو نے اپنی ہستی موہوم کو لا نفی کے سوہان سے گھس دیا اور اپنی اصل" نیستی" کی طرف رجوع کر کے اپنے وجود بے شہود کو ذات حق میں محو کر دیا تو اب تیرا وجود نور الٰہی سے منور ہوگا اور تجلیات ذات وصفات سے بفضلہ تعالیٰ آراستہ کیا جائے گا" یہ حقیقت ہے کہ ظلمت کی انتہا نور کی ابتدا ہے جس طرح رات کی انتہا صبح نورانی کا طلوع ہے ۔ پس لازم ہوا کہ" فاذکرونی اذکرکم" تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا کے مطابق خود ذاکر مذکور ہو جاتا ہے اور مذکور ذاکر بن جاتا ہے یعنی اللہ اس کا ناصر ہو جاتا ہے اور وہ منصور۔

حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے اور اغیار کو چھوڑ دیتا ہے خدا تعالیٰ اسی سے انس رکھتا ہے ۔ اے خدا تعالیٰ سے بھاگنے والے اب بھی اس کی طرف آ ۔ تو اس کا نام سرائے فانی میں سن رہا ہے تو بقا میں اس کے جمال کا کیا کچھ شہرہ ہوگا ۔ دار محنت (دنیا) میں تیرے لیے یہ کچھ ہے تو دار نعمت میں کیا کچھ ہوگا ۔ دوست کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو شاخوں پر بیٹھ کر صبح تک اپنے دوست کی یاد میں نغمہ سرا رہے اور شب بھر ذرا بھی آنکھ نہ لگائے اور اسی طرح سے اس کا شوق و محبت روز افزوں ترقی پر ہو ۔ تو خدا تعالیٰ کو تسلیم ورضا سے یاد کر وہ تجھے اپنے قرب و وصال سے یاد کرے گا ۔ وہ فرماتا ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو خدا پر بھروسہ کرے تو خدا اس کے لیے کافی ہے ۔ تو اسے شوق واشتیاق سے یاد کر تو وہ تجھے تقرب وصال سے یاد کرے گا ۔ تو اسے حمد و ثنا سے یاد کر وہ تجھ کو بخشش اور مغفرت سے یاد کرے گا ۔ تو اسے ندامت سے یاد کر وہ تجھے کرامت وبزرگی سے یاد کرے گا ۔ تو اسے اخلاص سے یاد کر وہ تجھے خلاصی سے یاد کرے گا ۔ تو اسے تعظیم سے یاد کر وہ تجھے تکریم سے یاد کرے گا ۔ تو اسے ہر جگہ یاد رکھ وہ تجھے بھی یاد رکھے گا ۔ ولذکر اللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے ۔ (بہجۃ الاسرار)

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم یارب تو کریمی ورسول تو کریم

اس مقام پر حضرت سید شاہ کمال اللہ حسینی قادری وچشتی جامی دکن قدس اللہ سرہٗ شمع خاندان چشت گرم کنڈوی کی ایک مختصر سی غزل جو ذکر اللہ پر ہی مشتمل ہے درج کی جاتی ہے مختصر سی شرح کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے ۔ ؎

دوئی سے جا گزر بول اللہ اللہ خودی کو کر حذر بول اللہ اللہ

مسمیٰ کی شراب معرفت سے ہو مست و بے خبر بول اللہ اللہ

ہے گُنہ ذکر نسیانِ سوے اللہ ۔۔۔ سوے اللہ کو بسر بول اللہ اللہ
ہے رتبہ میں تفکر سے تذکر ۔۔۔ وجوہا معتبر بول اللہ اللہ
اجازت مرشدِ کامل سے اول ۔۔۔ لے بعد از بے خطر بول اللہ اللہ
کھڑے بیٹھے چلے لیٹے پہ یعنی ۔۔۔ بہر حال و مقر بول اللہ اللہ
دِلا دنیا و ما فیھا ہے ملعون! ۔۔۔ نہ ذکر حق مکر بول اللہ اللہ
حضورِ قلب حاصل نہیں تو بالے ۔۔۔ زباں سے بیشتر بول اللہ اللہ
جماد و نامی و حیواں سے کمتر ۔۔۔ نہ ہو گر ہے بشر بول اللہ اللہ
گہہ و بیگہہ نبیؐ پہ بھیج صلوات ۔۔۔ ہمہ شام و سحر بول اللہ اللہ
نہیں وقتی یہ فرضِ دائمی ہے ۔۔۔ کمالاؔ تجھ او پہ بول اللہ اللہ

حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ نے سالکانِ راہِ طریقت کو "اللہ اللہ" کے ذکر کرنے کا بڑا عمدہ اور زود اثر طریقہ ان اشعار میں ارشاد فرمایا ہے ۔ پہلے شعر میں یعنی مطلع میں کیسی سادگی سے فرمایا ہے ' دوئی سے جا گزر بول اللہ اللہ' ۔ اے سالک دوئی کے خیال کو جو باطل ہے چھوڑ دے اور اس دوئی کے خیال کو ترک کر کے ذکرِ حق ' اللہ اللہ' میں ڈوب جا اور حق کا وصال حاصل کر کیوں کہ تیری ہستی یعنی 'ہے پن' کا خیال جو تجھ میں سما گیا ہے وہ باطل ہے ۔ وہ محض ہستی وہمی ہے جیسا کہ دوسری جگہ حضرت نے یوں فرمایا ہے ۔ ؎

پہلے تو فنا ہو جا پندار کی ہستی سے ۔۔۔ من بعد بقا حاصل کر یار کی ہستی سے

خُودی کو کر حذر بول اللہ اللہ' یعنی 'میں ہوں' کے خیال کو فراموش کر دے اور اس وہمی خودی کو ترک کر کے اللہ اللہ کا ذکر کر ۔ اس کو وضاحت سے سمجھنے کے لیے حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمۃ والرضوان (شارح فصوص الحکم مصنفہ شیخ محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ) کے درج ذیل اشعار کو ملاحظہ فرمائیں تو سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا ۔ ؎

خدا کے سامنے ہستی کا دعوی ۔۔۔ سوا باطل کے کیا ہے میں نہیں ہوں
نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں ۔۔۔ خدا ہی ہے خدا ہے میں نہیں ہوں

دوسرے شعر میں فرماتے ہیں "مسمّیٰ کی شرابِ معرفت سے ہو مست و بے خبر بول اللہ اللہ" مطلب ۔ بالکل واضح ہے ۔ یعنی 'اللہ' اسم ذات وجود مطلق با مسمّیٰ ہے ۔ خیالی نام نہیں ہے اس اسمِ پاک کے ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسا شرابِ معرفت کا جام پلا دیگا جس سے ذاکر مست و بے خبر ہو جائے گا ۔ ایسی مستی و بے خبری کی حالت میں بھی ' اللہ اللہ' کا ذکر جاری رکھنا چاہیے یہی کمال درجہ کا ذکر ہے

اللہ تعالٰے ہمیں بھی یہ لازوال دولت و نعمت عطا فرمائے بطفیلِ حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تیسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں" ہے کنہ ذکر نسیاں سوی اللہ"، جیسا کہ ارشادِ باری ہے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ اور اپنے رب کو یاد کر اس حالت سے کہ تو اپنے کو بھول جائے۔ "سوی اللہ کو بسر بول اللہ اللہ" یعنی ماسوا اللہ سب کو بھول جا "اللہ اللہ" کا ذکر کر جس کو حضرت نے اس طرح فرمایا ہے۔ ع

ذکر خدا یہی ہے خودی کو بسر کمال

حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ کا یہ شعر بھی یہاں خوب چسپاں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ؎

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

چوتھے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکر کا مرتبہ بعض وجوہات کی بنا پر تفکر سے زیادہ معتبر قرار پایا ہے خصوصاً عارفین باللہ کے نزدیک جو ذکر خفیفی میں ہمیشہ مشغول رہ کر لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کی مستی و بے خبری کی حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو القاسم قشیری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ پاک تک نہیں پہنچ سکتا سوائے اس کے کہ ذکر الٰہی پر مداومت کرے اور سعادتِ ابدی کی خوشبو مشام جان تک بغیر ذکر الٰہی کے نہیں پہنچتی"۔ حضرت سید عبد الرزاق شاہ العالمین علیہ الرحمۃ والرضوان (المتوفی ۹۴۹ھ) فرماتے ہیں کہ "خطبِ الوداع" میں ذکر کی بہت خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی "صدقہ کی رقم اگر چالیس ہزار ہاتھوں میں سے ہو کر اگر کسی درویش مستحق تک پہنچے گی تو اللہ تعالٰے ان چالیس ہزار انسانوں کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا اب اس کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اگر تمام دنیا سونا اور چاندی کی ہو جائے، تمام ریت کے ذرّے موتیوں میں تبدیل ہو جائے تمام سنگ ریزے لعل بدخشانی اور یاقوتِ رمّانی سے بدل جائیں اور یہ تمام دولت کسی ایک انسان کی ملکیت بن جائے اور وہ اسے صدقہ کر دے تو بھی اسے اتنا ثواب نہ ملے گا جتنا کہ ایک بار اللہ پاک کو یاد کرنے کا ثواب عطا ہوتا ہے۔" (سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ) اسی لیے حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اس شعر میں ذکر کی فضیلت و اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ اگرچہ کہ فکر کی فضیلت بھی کچھ کم نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔ قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں بھی اس کے بہت سارے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ امام الصوفیا حضرت محمد غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف "کیمیائے سعادت" کا مطالعہ کریں تو اس شعر کی تشریح بہت خوب سمجھ میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالٰے)

پانچویں شعر میں فرماتے ہیں کہ سالکِ راہِ طریقت کو پہلے مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اُن سے ذکر کی تلقین و اجازت پانا

ضروری ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کی اجازت کے بعد اسم ذات "اللہ اللہ" کا ذکر بے خطر کرسکتا ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ ذکر حقیقی کی کیفیت کو پا سکتا ہے۔

چھٹے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اٹھتے، بیٹھتے، کھڑے، لیٹے ہر حال میں اللہ اللہ کے ذکر کو لازم کر لینا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ ۔ "اپنے اللہ رب العزت کو یاد کرو جب تم کھڑے ہو اور تم بیٹھے ہو اور جب تم پہلو سے تکیہ لگائے ہوئے ہو"۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ تم اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مجھے یاد کرو تم جہاں کہیں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو تم مجھے نہ بھولو کہ میں تمہارا دوست اور ہم نشین ہوں۔

ساتویں شعر میں حدیثِ پاک کا مفہوم ارشاد ہے۔ کہ "دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے"۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ اے دل خوب جان لے کہ دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ بھی ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ملعون ہے ہاں ذکرِ حق کے ساتھ دُنیا کریں تو ملعون نہیں ہے۔ یعنی "اللہ اللہ" کے ذکر کے ساتھ دُنیا دین بن جاتی ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کو یاد رکھتے ہوئے جو دُنیا کرے وہ اہلِ دین ہے اور اہلِ سعادت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھول کر صرف دُنیا ہی میں لگ جاتا ہے وہ اہلِ دُنیا ہے (جو ملعون ہے۔) مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ع

اہلِ دُنیا کافرانِ مطلق اند

لیکن دُنیا کیا ہے اس کے تعلق سے بھی مولانا رومی علیہ الرحمہ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

چیست دُنیا از خدا غافل بُدن ۔۔۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دُنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونے کا نام دُنیا ہے۔ زر، زیور، بیوی، بچوں کو رکھنے کا نام دنیا نہیں جب کہ ان میں مشغول ہو کر اللہ تعالےٰ کو نہ بھولے۔ ایک حدیثِ شریف میں یہ بھی ارشاد موجود ہے کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ" یعنی دُنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ رابعہ بصری علیہا الرحمہا علیہا نے بھی فرمایا ہے کہ "طالبِ دُنیا مخنث ہے طالب عقبیٰ مؤنث ہے اور طالبِ مولیٰ مذکر ہے"۔ لہٰذا سالکینِ راہ طریقت طالبانِ مولیٰ بن کر جوانمردی کا ثبوت دیں اور دُنیا ہی میں محبوب کے شہود و جمال سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں۔

آٹھویں شعر میں فرماتے ہیں: اے بابا! تجھے اگر حضور قلب کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے تو پست ہمت ہونے کی بات نہیں پھر بھی تو زبان سے ہی سہی کثرت سے اللہ اللہ کا ذکر کر۔ تجھے اس ذکر کی بدولت اس راہ میں ترقی ضرور ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

نویں شعر میں فرماتے ہیں کہ اے انسان! تیرا شمار اشرف المخلوقات میں ہے۔ لہٰذا تو بشر کہلا کر ذکرِ الٰہی کرنے میں جماد آ

نباداتِ، حیوانات سے کم تر نہ ہونا چاہیے۔ ایسا کرنا اور ایسا رہنا تیرے لیے مناسب نہیں۔ دیکھ تو سہی کہ جمادات، نباتات اور حیوانات سب کے سب اللہ رب العزت کی تسبیح و تہلیل اپنے اپنے زبانِ حال سے بیان کر رہے ہیں اور سب اسی طرح یادِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہیں۔ اے انسان! جو کہ تو اُن سے رتبہ میں بڑھ کر ہے، یادِ الٰہی کرنے میں بھی اُن سے سبقت لے جانا چاہیے۔ قرآنِ مجید کی تفاسیر اور احادیثِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں جمادات، نباتات اور حیوانات کے تسبیح کرنے کا تذکرہ بہترین انداز میں موجود ہے۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کو چار سو ناموں سے یاد کیا تو اُن پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ شاید کسی بندہ کو ایسی دولت حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ باری تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے آؤ۔ جب وہ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک پرندہ درخت کی شاخ سے لٹکے ہوئے اللہ پاک کو چار ہزار ناموں سے یاد کر رہا ہے جس کو سن کر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) متعجب ہوگئے پھر باری تعالیٰ سے ارشاد ہوا اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنے عصا کو پہاڑ پر مارو۔ جب حضرت نے پہاڑ پر عصا کو مارا تو شق ہو کر اس میں ایک دریا بہتا نظر آیا اور اس کے کنارے پر ایک پرندے کو دیکھا جو اپنی زبان سے کہہ رہا تھا اللہ اللہ اللہ اللہ اور حضرت نے اس پرندے کو پکارا تو کوئی جواب نہیں آیا۔ ارشادِ خداوندی ہوا اے موسیٰ! علیہ السلام یہ ہمارے ذکر میں مشغول ہے۔ ہاں! ایک گھڑی کے لیے اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ تم سے ہم کلام ہو۔ جب حضرتؑ نے اس پرندے کو پکارا تو جواب دیا: لبیک۔ اے موسیٰؑ! اے کلیم اللہ آپ نے مجھے کس لیے پکارا ہے۔ حضرتؑ نے اس پرندے سے پوچھا کہ تو کتنے سال سے اس جگہ بیٹھا ہوا ہے؟ کہا کہ اے خدا کے کلیمؑ! ایک ہزار برس بیت گئے کہ میں یہاں مصروفِ عبادت ہوں اور یادِ الٰہی کرتا ہوں اور اب تم سے بات چیت میں مشغول ہونے کی وجہ سے تشنگی محسوس کرتا ہوں۔ لہٰذا مجھے تھوڑا سا پانی پلا دیجیے۔ جب میں ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا پیاس نہیں لگی تھی۔ (سبحان اللہ)۔ اب پڑھیے اس شعر کو بڑا مزا آئے گا۔ ؎

جماد و نامی و حیواں سے کمتر — نہ ہو کر ہے بشر بول اللہ اللہ

دسواں شعر یہ ہے " گہ و بے گہ نبیؐ پر بھیج صلوات — ہمہ شام و سحر بول اللہ اللہ

حضرت اس شعر میں فرماتے ہیں: کہ اے رہرو راہ طریقت! اس بات کا بھی بہت خیال رکھنا کہ ہمارے حضور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا بھی بہت ضروری ہے۔ لہٰذا کثرت سے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گاہے بہ گاہے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے نذرانے بہت ہی خلوص و محبت کے ساتھ بھیجتے رہنا چاہیے۔ یادِ نبیؐ بھی یادِ خدا ہے۔ کثرت سے درود شریف کا پڑھنا بھی ذکر میں شمار کیا گیا ہے۔ اگرچہ شام و سحر کثرت سے " اللہ اللہ" کا ذکر کرتے رہیں۔ مگر درود و سلام بصدق دل نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کبھی کبھی بھیجتے رہیں۔ ہرگز نہ بھولیں۔ یہاں

حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ کے دو شعر بھی ملاحظہ فرمالیں۔ اس شعر کی شرح بہت خوب سمجھ میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)[5]

رکھ مجھ کو اپنی یاد میں مشغول یارسول ﷺ — کہ حق کی بارگاہ کا مقبول یارسول ﷺ

غافل بحق ہے ذاکر و مذکور حق نہیں — جو ذکر حق کیا ہے تجھے بھول یارسول ﷺ

گیارھویں شعر مقطع میں فرماتے ہیں کہ: اے کمالؔ ذکر الٰہی کو وقتی فرض مت سمجھ۔ یہ تو تجھ پر فرض دائمی ہے لہٰذا ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوجا۔ وقتی فرائض تو پانچوں وقت کی نمازیں ادا کرنا اور دیگر وقت وقت پر جو بندہ پر فرائض عائد ہوتی ہیں وہ ہیں۔ مثلاً کوئی فجر کی نماز ادا کرلیا تو شریعت مطہرہ کی طرف سے اُسے ظہر کے وقت تک چھٹی ملتی ہے۔ اسی طرح ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد عصر کے وقت تک چھٹی ملتی ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد مغرب کے وقت تک چھٹی ملتی ہے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد عشاء کے وقت تک چھٹی ملتی ہے۔ یہ رخصت عوام کے لیے ہے خواص اور اخص الخصوص کے لیے نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے خاص فضل وکرم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس وسیلے سے ذکر دوام کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

ایک جامع دُعا

اَللّٰھُمَّ یَارَجَآئِیْ یَامَنَآئِیْ یَاغِیَاثِیْ یَامُرَادِیْ یَامُعَافِیْ یَاشِفَآئِیْ یَاکَمَآئِیْ کَفِیْ بِحَیِیْ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَاغَفُوْرُ یَارَحْمٰنُ یَارَحْمٰنُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ یَاکَرِیْمُ یَاکَرِیْمُ یَاکَرِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔
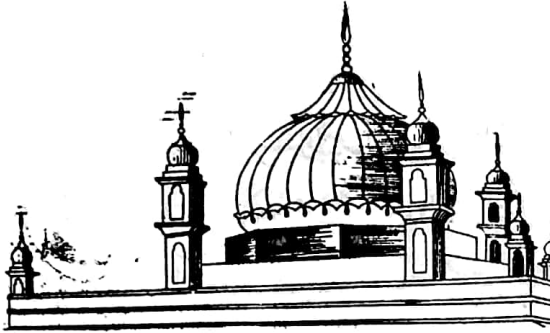
حضرت خواجہ عثمان امین الدین
ملقب بہ قادر علی شاہ
المعروف بہ حضرت یارب رحمۃ اللہ علیہ

مولوی جمیل احمد شریف لطیفی ننجنگڈھی : خادم دار العلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور

یارب حضرت کا نام نامی حضرت خواجہ عثمان امین الدین اور لقب قادر علی شاہ اور آپ کو یارب حضرت کہہ کر پکارتے تھے۔

آپ شہر امرتسر میں خواجہ حسن ضیاء الدین اور سعیدہ کبریٰ بانو کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی کا نام خواجہ علی امان الدین تھا بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ باپ کے ترکہ میں ایک مکان اور امرتسر کے بازار میں ایک دکان تھی۔ جہاں موٹر انجنیں اور پمپ سٹ کے موٹر وغیرہ کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

آپ اپنے بڑے بھائی خواجہ علی امان الدین اور والدۂ ماجدہ کے زیر سایہ علم حاصل کرتے رہے۔ فراغت کے بعد دکان میں اپنے بڑے بھائی کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ تجارت کے سلسلہ میں آپ کو آس پاس کی بستیوں میں آنا جانا ہوتا تھا۔ ترن تارن نامی بستی کو جاتے تو وہاں ایک مست و مجذوب مقیم تھے، ان مجذوب سے پہلے ملتے اور نذر گزارتے تھے۔ پھر کاروبار سے فارغ ہو کر امرتسر چلے آتے تھے۔ اس طرح تین چار سال مجذوب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نذر گزارتے تھے۔

ایک دن مست و مجذوب صاحب نے آپ سے فرمایا: ہر بار آپ ہی دیا کرتے ہو آج ہم آپ کو دیں گے، کیا لو گے؟ آپ نے خوشی سے فرمایا ضرور لیں گے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ اپنی جھولی میں ڈالا اور مٹھی بند باہر نکالا اور دیا۔ آپ نے لیا اور اس کو فوراً کھا لیا۔ کھاتے ہی آپ کی نظریں اٹھیں اور مست صاحب کے چہرے پر گڑ گئیں۔ مست صاحب نے بھی اپنی نظریں ان کی

کی نظروں سے ملائیں۔ آپ پر مستی چھاگئی۔ چند دن تک مست صاحب کی خلوت وجلوت میں رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو آپ نے مست صاحب سے نام پوچھا تو کہا: تم قادر علی ہو ہم ناظر علی ہیں۔ کچھ دیر بعد کہا: خواجہ شمس الدین ناظر علی!

ترن تارن سے امرتسر واپس آئے۔ گھر کی دیوڑھی پر پہنچے اور اپنی امی جان کو پکارا۔ ماں دیوڑھی پر آئیں اور فرمایا اندر آؤ بیٹا، باہر کیوں کھڑے ہو؟ بیٹے نے کہا: امی جان کچھ اور آگے آجائیے، جب ماں آئیں تو آپ نے اپنی نظریں ماں کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ کچھ وقفہ کے بعد کہا: آج آپ کا چہرہ چودھویں کا چاند بنا ہے۔ کیا آپ مجھے رب کے نام پر بخش دیں گی تاکہ میں رب کا ہوکر رہوں۔ ماں نے کچھ توقف کے بعد کہا: ہیں دل وجان سے خوش ہوں تمہیں رب کے نام پر بخش دیا، بیٹا رب تمہارا ہووے۔ حضرت نے ماں کی قدم بوسی کی اور اٹھ کر چل دیے۔ جلوؤں کی رہبری میں دیس بدیس گھومتے گھومتے 1928ء مطابق ۱۳۴۸ھ کو دکھنی کوٹہ پہنچے۔ اس وقت آپ کی عمر ستائیس ۲۷ سال کی تھی۔ خوب صورت چہرہ، رنگ گلابی زردی مائل، آنکھیں چمک دار اور سنہتی نظر آتی تھیں اور پیشانی سے نور ٹپکتا تھا۔ چارخانہ لنگی زیب تن کئے تھے اور جبّہ پہنے تھے۔ آک اور دھتورے کے تازہ پتّوں سے آپ کی جھولی بھری رہتی تھی۔ گھومتے پھرتے یارب یارب کا ذکر جہری کرتے تھے۔ گلیاں گلیاں پیادہ پا چلتے رہتے تھے۔

چند دنوں کے بعد جبّہ نکال پھینک دیا۔ رمضان کے مہینے میں ایک ٹیلر ماسٹر نے آپ کو ایک قمیص پہنائی۔ چند دنوں تک یہیں رہے۔ بعد وہ دکھنی کوٹہ چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ ایک سال تک ان کا پتہ نہ چلا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ کنکا پورہ (خان ملّی) میں دیکھے گئے۔ اُن کے ایک معتقد نے اپنے ایک ساتھی کو بھیج کر آپ کو پھر دکھنی کوٹہ بلوایا۔ اُن کے آنے سے پہلے ایک کمرہ کرایہ پر لے رکھا تھا۔ آنے کے بعد ان کو اسی کمرہ میں رکھا گیا۔ آپ کی واپسی کی خبر پھیلی تو لوگ بلاتفریق مذہب وملّت آپ کی طرف آتے اور اپنی ضروریات ومشکلات سناتے۔ آپ ان کے لیے دعا فرماتے۔ آپ کی دادخواہی کی کیفیت آس پاس کے علاقوں میں سنائی دینے لگی۔ دور دراز سے لوگ حاضر خدمت ہوتے اور اپنی مرادیں حاصل کرتے۔ لوگ نذرانہ اور تحفے نذر گزارتے۔ ان کو آپ یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کو دے دیا کرتے تھے۔

آپ کے دکھنی کوٹہ آنے کے بعد گیارہ سال تک آپ عالم ہوش میں رہے پھر آپ پر مجذوبیت طاری ہوگئی۔ آپ اتنے بےخود اور مست ہوگئے کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ نہ کھانا نہ پینا، نہ ایک جگہ قرار سے بیٹھنا۔ رات ہو یا دن چلنا ہی چلنا۔ کوئی کپڑا پہناتو نکال دیا اور جلا دیا۔ چائے دیتا تو گلاس سمیت پھینک دیتے۔ کھانا دیا تو کتّوں کو کھلا دیا کرتے۔ اسی حالت میں ایک نئی بس میں سوار ہوگئے۔ سیٹوں پر اچھلا کودا، سیٹوں کو ادھیڑ ڈالا۔ یہ خبر جب بس کے مالک کو ہوی تو اس نے خبر دینے

والے کو جھڑک دیا۔ ایک ہندو جوان جو کسی مقدمہ میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے گھومنے لگا اور خود بخود اس کی زبان سے یا رب یا رب کا ذکر جہری جاری ہوگیا۔ مقدمہ میں حاضری کے بعد فیصلہ ہوا اور اس کو بری کرکے چھوڑ دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد تمام کاروبار سے چھٹکارا پاکر حضرت کی پناہ میں آگیا۔ چند دنوں بعد وہ دنیا سے چل بسا۔

چار مہینوں تک آپ پر حالتِ جذب طاری رہی۔ خلاصی ملتے ہی غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ اور عالم ہوش میں آگئے۔ آپ نے اپنے عقیدت مندوں سے ایک ایسے کمرے کی ضرورت بتائی کہ اس جگہ لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو۔ کچھ ہی دنوں میں ایک ایسا ہی کمرہ مل گیا۔ وہ کمرہ آج زیارت گاہِ عوام ہے۔ آپ کا پلنگ، آپ کے جوتے۔ پلنگ کے روبرو ایک چولھا (جسے مچ) کہتے تھے۔ رات دن اس چولھے میں لکڑیاں جلتی رہتی تھیں۔ آپ کی غذا صبح میں ایک پیالی چائے۔ دوپہر کو چند لقمے چاول یا روٹی اور رات کو آٹھ بجے ایک پیالہ دودھ کا۔ کبھی کبھی پھل وغیرہ بھی کھالیا کرتے تھے۔ اس کمرے میں پلنگ پر لیٹے رہتے۔ لوگ آتے۔ کبھی آنکھیں بند کئے اور کبھی کھلی آنکھوں سے ان کی باتیں سنتے اور فرماتے: رب بھلا کرے بابا۔

یارب حضرت کبھی کبھی اپنے معتقدوں اور دوستوں کے ساتھ دوسرے شہروں اور گاؤں کو بھی نکل جاتے۔ اکثر وہ شہر سیلم، دھرمپوری اور اطراف واکناف کے قریوں میں چلے جاتے۔ ہفتہ دو ہفتہ یا دو چار دن قیام فرماتے اور واپس دکنی کوٹہ آجاتے۔ 1942ء میں ایک بار سیلم گئے ہوئے تھے۔ وہ اکثر جامع مسجد کے پیش امام جو خاندانِ مشائخین کے وارث، متقی اور پرہیزگار اور عابد تھے، ان سے ملاقاتیں ہوتیں اور جامع مسجد کے دروازے سے لگے ایک حافظ قرآن کی کپڑوں کی دکان میں تشریف فرما ہوتے۔ اسی طرح کی اس ملاقات میں پیش امام صاحب سے فرمایا کہ ان دنوں کوئی خاص واقعہ یا نئی کیفیت ہو تو سنائیے۔ پیش امام نے سنایا کہ سیلم سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں ایک مسلمان صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ کفن دفن کے بعد وہ اپنے دو لڑکوں کو لیے سیلم کی طرف بڑھ رہے تھے کہ راستے میں ان صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ دونوں بچے اکیلے رہ گئے۔ ایک صاحب کے ذریعہ جامع مسجد کی جماعت کو خبر ملی۔ ان کی موت مٹی کے لیے جماعت کی طرف سے آدمیوں کو بھیجا گیا۔ ان کے کفن دفن کے بعد دونوں بچوں کو سیلم لے آئے اور انھیں مسجد میں رکھا گیا۔ نماز کے بعد جماعت کے ذریعہ اعلان ہوا تو ایک صاحب جو لاولد تھے چھوٹے لڑکے کو اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہوکر لے گئے۔ بڑے لڑکے کو پیش امام صاحب اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ یہ سن کر یارب حضرت نے پیش امام سے کہا: اس لڑکے کو ہمارے سپرد کردو۔ امام صاحب نے جماعت کے ممبروں سے اجازت لے کر اس لڑکے (شریف صاحب) کو آپ کے حوالے کردیا۔ اس وقت اس بچہ کی عمر چھ یا سات برس کی ہوگی۔ دکنی کوٹہ آنے کے بعد بچے کو مدرسہ میں داخل کرادیا۔

ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام اپنے ایک معتقد سید برہان الدین صاحب کے گھر کردیا۔ میاں بیوی اور بچے شریف صاحب سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ انھوں نے شریف صاحب کی سنّتِ ابراھیمی بڑی دھوم دھام سے اپنے خرچ پر کیا۔ بارہ ۱۲ یا تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں شریف صاحب کو مدرسہ سے رکوالیا اور یارب حضرت کے ساتھ حضر میں اور سفر میں رہنے لگے۔ لوگوں میں چرچا تھا کہ شریف صاحب یارب حضرت کے متبنیٰ ہیں۔ آپ نے انھیں اپنا جانشین بھی مقرر کردیا۔

اتوار کا دن تھا۔ محرم کی چھبیس ۲۶ تاریخ اور ۱۳۷۱ھ ہجری مطابق 1951۔10۔25 ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ آن کی آن میں آپ کے وصال کی خبر اطراف واکناف میں پھیل گئی۔ لوگوں کی آمد شروع ہوگئی۔ کیا ہندو کیا مسلمان سب کی آنکھوں سے آنسو جاری اور زبان سے یارب یارب کی آوازیں آنے لگیں۔ سب نے عقیدت کی پھول مالائیں چڑھائیں۔ اتوار کے دن آپ کی قبر کھدوائی گئی۔ پیر کی صبح آٹھ ۸ بجے سے غسل وغیرہ کی تیاری شروع ہوی۔ دوپہر ایک بجے غسل سے فراغت ہوی۔ دوپہر کے ڈھائی بجے جنازہ اٹھایا گیا۔ کندھا دینے والوں میں ہندو مسلمان کا فرق نہیں تھا۔ مسجد میں جگہ کی قلّت کی وجہ سے جنازہ اسی جگہ لایا گیا جہاں آپ کا مزار ہے۔ اس وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مسلمانوں کے پیچھے ہندو احباب نے بھی صفیں باندھیں۔ نماز جنازہ کے دیدار عام کرایا گیا۔ بعدۂ میت کو قبر میں اتارا گیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون ہ

رحیم خان صاحب دکھنی کوٹہ کے ایک رئیس اور عالم خاندان کے فرد تھے۔ یارب حضرت کو دیکھتے تو شرارت کرتے اور ان کی غیر حاضری میں ان کا مذاق اڑاتے۔ ایک روز یارب حضرت ایک سائیکل شاپ میں بیٹھے تھے کہ خان صاحب بھی وہاں آئے اور مذاق کرنے لگے۔ حضرت نے کہا: سنو اب یہ گھڑی گھنٹی نہ بجائے گی۔ گیارہ بجے مگر گھنٹی نہ بجی۔ خان صاحب نے شرط لگائی تھی کہ گیارہ گھنٹیاں نہ بجیں تو وہ اپنی دستی گھڑی حضرت کو دے دیں گے۔ خان صاحب نے آدھ گھنٹے کی گھنٹی کے ہدف ہونے کے سلسلہ میں بھی کہا۔ ساڑھے گیارہ گھنٹی نہ بجی۔ خان صاحب وہاں سے کھسک گئے۔ دو تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ خان صاحب بیمار ہوگئے۔ علاج پر علاج کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ سسرال والوں نے انھیں اپنے گھر لایا اور علاج کرایا مگر اچھے نہ ہوے۔ آخر خودکشی کی سوچی، وہ کنوئیں میں چھلانگ لگانے گئے تو سسرال والے انھیں کھینچ کھانچ کرلے آئے۔ ایک دن وہ سب کی نظریں بچاکر گھر سے باہر نکلے۔ ابھی کنواں کچھ فاصلہ پر تھا کہ انھیں اوہو خان صاحب، اوہو خان صاحب کی آواز سنائی دی۔ خان صاحب نے پہچان لیا کہ یہ آواز یارب حضرت کی ہے۔ پھر بھی وہ آگے بڑھے کہ حضرت کی آواز پھر سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا کہ دو قدم پیچھے یارب حضرت کھڑے ہیں۔ حضرت نے انھیں خودکشی سے روکا۔ اپنے ساتھ واپس لے آئے اور ہوٹل چائے پلائی۔ اور کہا: رب کی طرف سے یہی دوائے شفا رہے۔ خان صاحب نے چائے پی اور اپنے آپ کو تندرست محسوس

محسوس کرنے لگے۔ اتنے میں ان کے سسرال رشتہ دار آگئے اور انھیں اور حضرت جی کو اپنے گھر لے گئے۔

یارب حضرت کا صندل و عرس ہر سال محرم کی چھبیس ۲۶ اور ستائیس ۲۷ تاریخ میں بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ٹمل ناڈو، کرناٹکا اور آندھرا کے علاوہ دوسرے علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے ہیں۔ یہاں آکر مزار پر حاظری دیتے ہیں۔ اپنی عقیدت پیش کرکے اپنی مرادوں سے دامن بھر کر واپس ہوتے ہیں۔

(استفادہ: گلستان یارب: آئینۂ راز: مصنفہ شیخ حیدر ربانی)

علیم صبا نویدی : مدیر اعلیٰ "نورِ جنوب" چینئی

گہوارۂ تصوّف، ہے آستانِ قربیؒ
ہیں عاشقانِ احمدؐ، وابستگانِ قربیؒ
ہر لمحہ برکتوں کی بارش ہے اس کی چھت پر
آماجگاہِ رحمت حضرت مکانِ قربیؒ
دینی تجلّیوں سے معمور ہے ہمیشہ
اَن مٹ سدا رہے گا یہ آشیانِ قربیؒ
دشمن فلک گرائے چاہے ہزار بجلی
بے شک نہ مٹ سکے گا یہ گلستانِ قربیؒ
علم و ادب کی دُنیا ہر سو مہک اٹھی ہے
ہر ایک کی زباں پر ہے داستانِ قربیؒ
حضرت مکاں کی چھت پر نورانی کیفیت ہے
اور اس کی سب فضائیں ہیں نغمہ خوانِ قربیؒ
بعدِ ولیؔ[۱] و سلطاںؔ[۲] یہ بھید تو کھلا ہے
دکنی کی شان و شوکت، اردو زبانِ قربیؒ
دارالسرور جن سے جلوہ فشاں ہوا ہے!
ویلور کی زمیں ہے رطب اللسانِ قربیؒ
یہ فضلِ ربِّ عالم، فیضانِ شاہ دیںؐ ہے
اربابِ علم و فن سب ہیں عاشقانِ قربیؒ

۱؎ میرولی فیاض ولیؔ ویلوری ۲؎ شاہ سلطان ثانی ارکاٹی
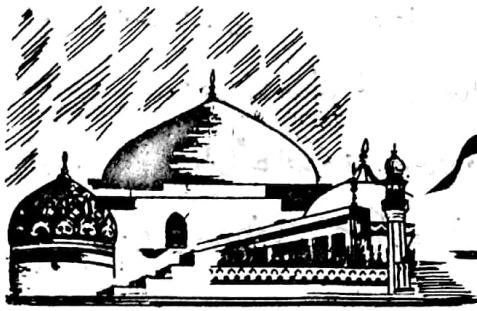
فضیلت ذکر و ذاکر

مولوی عبد السلام لطیفی۔ ویلوری

ھم اپنے وجود پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا وجود ہی نہ تھا اور نہ ہی ہماری کوئی حقیقت تھی خالق لیل و نہار نے ہم کو عدم سے وجود میں لایا اور ہمارے لیے دنیا کی تمام چیزوں کو مہیّا فرمایا۔

تو ہم اس حالت پر اپنے خالق و پروردگار کو کس طرح بھول سکتے ہیں۔ اگر ہم انسان ہیں، ہم میں سمجھنے کا ملکہ ہے تو ہم کبھی اپنے خالق کو نہ بھولیں گے اور اگر بھول گئے تو ہمارا وجود دنیا میں باعثِ ننگ و عبرت ہے۔

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ رات اور دن ہر حالت میں سفر میں ہو یا حضر میں، حالتِ غنا و فقر میں، حالتِ مرض میں یا صحت میں سرّی طور پر یا جہری طور پر ہر حال میں خدا کا ذکر کرنا چاہیے۔ اللہ کے ذکر سے ہی دل روشن ہوتا ہے، روح میں تازگی آتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں ایسا ہے جیسا مُردوں میں زندہ اور خشک گھاس میں درختِ سبز۔ ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ: عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مثل الذی یذکر ربّہ والذی لایذکر ربّہ کمثل الحیّ والمیّت۔ (ترمذی) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ذکر میں مشغول رہنے والے اور اس سے غافل رہنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے اور جو شخص خدا کے ذکر سے غافل ہے دنیا اور آخرت میں اس کے لیے خرابی ہے۔

طریقِ اذکار ذکر پانچ چیزوں سے کیا جاتا ہے۔ ۱۔ لسانی۔ ۲۔ قلبی۔ ۳۔ روحی۔ ۴۔ سرّی۔ ۵۔ خفی۔ ذکرِ لسانؔ یعنی زبان خدا کے ذکر میں ہمیشہ تر اور متحرک رہے۔ کسی وقت بند نہ ہو۔

ذکرِ قلبؔ یعنی دل ہمیشہ خدا کا ذکر کرتا رہے۔ کبھی بھی دل کو ذکرِ حق سے غافل نہ ہونے دے۔

ذکرِ روحؔ یعنی ہر شئے کی حقیقت میں مشاہدۂ ذاتِ حق کرتا رہے۔ غفلت کو کبھی راہ نہ دے۔

ذکرِ سرّیؔ یعنی وجود میں حقائقِ اشیا ذکو اور ہر شئے کی حقیقت کو ذاتِ حق میں دوام معائنہ ملاحظہ کرتا رہے۔

ذکرِ خفی یعنی ذاتِ حق میں احدیت میں محو و درمحو فنا در فنا ہو جانا۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہر چیز کے لیے ایک عذاب موجود ہے۔ عارف کا عذاب ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دُور ہو جانا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب دل میں ذکرِ الٰہی متمکن ہو جاتا ہے تو شیطان اس کے قریب آتا ہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسان کے قریب جن آتا ہے تو انسان بے ہوش ہوتا ہے بالکل اسی طرح ذاکر کے قریب شیطان آتا ہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس وقت دوسرے شیطان پوچھتے ہیں اس کو کیا ہوگیا؟ جواب ملتا ہے: اس کو انسان کا سایہ ہوگیا ہے۔ یعنی انسان کے چھونے سے یہ بے ہوش ہوگیا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کوئی معصیت اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے سے بھی زائد قبیح ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ۔ یعنی اور جس نے روگردانی کی میرے ذکر سے پس تحقیق اس کے واسطے معیشت تنگ ہے اور ہم اس کو اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا۔

قال اللہ تعالیٰ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔

یعنی خدا کے ذکر سے ہی دل کو سکون ملتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ۔ (سورۂ بقرہ) یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ ۔ (مسلم)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کا ذکر کرنے یا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں تو اُن کو فرشتے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور خدا کی رحمت ان کو چھپا لیتی ہے اور اترتا ہے ان پر آرام و چین اور خدا اُن کا ذکر کرتا ہے فرشتے اور ارواحِ انبیاء کے درمیان ہیں جو اُس کے پاس ہیں۔

اور بہت سی آیات و احادیث میں ذکر کی فضیلت آئی ہے۔

افضل الذکر

ذکر و اذکار تو بہت ہیں لیکن تمام ذکروں میں سب سے بہتر و افضل ذکر یہ ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایضاً

وَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مُّخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (ترمذی ومسلم)

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر اذکار میں سے ذکر لا الٰہ الا اللہ کا ہے۔ ایضًا اور جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ بخلوصِ داخل ہوا جنّت میں۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کلمہ میں چار فرض ہیں۔ اول تمام عمر میں ایک بار کہنا۔ دوم درست کہنا۔ سوم اس کلمہ کے معنی یاد رکھنا۔ چہارم اسی معنی پر مرنا۔

ذکر تقرب الٰہی کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔

ذکر صلوٰۃ دائمی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ (سورۃ الاعلیٰ)

یعنی اور اس نے اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا یاد کیا پس نماز پڑھی۔ اذکار الٰہی میں ایک ذکر صلوٰۃ دائمی ہے اصطلاحِ صوفیائے کرام میں ذکر بمعنی یادِ الٰہی، صلوٰۃ بمعنی نمازِ دائمی یعنی ہمیشہ ذکر صلوٰۃ دائمی یعنی ذاکر بذکرِ ذاتِ حق ہمیشہ ہر وقت نماز میں ہے۔

نماز دو قسم کی ہے۔ ایک تو یہ کہ جس میں تعیّن وقت رکوع وسجود وغیرہ کی شرط ہے جیسے نماز پنجگانہ پس اگر اس نماز پنجگانہ وغیرہ کے نمازی نے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کو دل میں قائم کر کے نماز ادا کی ہے۔ یعنی بمشاہدہ یا بمراقبہ تو بے شک یہ نماز مقبول وموجبِ فلاح دارین ہے۔

اور جس کی نماز اس شان وشوکت کی نہیں تو وہ بے سود ہے۔ دوسری قسم کی نماز یہ ہے کہ جس میں تعیّنِ وقت رکوع وسجود وغیرہ کی شرط نہیں ہے۔ اس نماز کا نمازی بلا تعیّنِ وقت و بغیر رکوع وسجود ہر وقت اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے اس کو "ذکر اللہ دوامی" کہتے ہیں اور اسی کا نام صلوٰۃِ دائمی بھی ہے۔ یہ نماز جمیع عبادات سے افضل وبہتر شمار کی گئی ہے۔ اور اس نماز میں اطمینانِ قلب بدرجۂ غایت نصیب ہوتا ہے۔ اس نماز میں زیادہ خوبی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نماز کے نمازی کا قلب کبھی خدا سے غافل نہیں رہتا۔ اور اس کی حالتِ قلبی کسی طرح اور کسی حال میں متغیر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی اصلی حالت پر ہمیشہ قائم وبرقرار رہتا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ؕ (سورہ معارج)

یعنی تحقیق انسان پیدا کیا گیا ہے بے صبر۔ جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو اضطراب کرنے والا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی

تو منع اور بخل کرنے والا ہے مگروہ نمازی جو اپنی نماز میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یعنی وہ نمازی جو ہمیشہ اپنی نماز میں ہیں ان کے دل کو کوئی برائی اور بھلائی جنبش نہیں دے سکتی وہ اپنی اصلی حالت پر قائم اور برقرار رہتے ہیں۔ پس اگر اس نماز سے نمازِ پنجگانہ مراد ہے تو اس نماز کے نمازی کی حالتِ قلبی بُرائی اور بھلائی کے پہنچنے پر قائم رہنی چاہیے، حالاں کہ قائم نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز سے علاوہ کوئی اور نماز بھی ہے کہ جس کے نمازی کی حالت قلبی ہر دو حالت حال میں اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی ہے۔

اور اس نماز کا نمازی بلاتعیّنِ وقت ہمیشہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اسی نماز کو صلوٰۃ دائمی کہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالےٰ آیتِ مذکورہ میں ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک صحابی کو اسی صلوٰۃ دائمی کی تعلیم فرمائی ہے۔ عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بن بُسْرٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَاَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ) یعنی عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ تحقیق احکام اسلام مجھ پر بہت ہیں پس خبر دو مجھ کو ایک ایسی چیز کے کہ میں بھروسہ کروں ساتھ اس کے آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ تر رہے زبان تیری اللہ کے ذکر سے۔

تو اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ احکامِ شریعت سے جس شخص کا اطمینانِ قلب پورے طور پر نہ ہو سکے تو وہ اپنی زبان کو خدا کے ذکر سے تر رکھے۔

اہلِ تصوّف نے اسی ذکر کا نام صلوٰۃ دائمی رکھا ہے اور یہ ذکر بغیر تعلیم پیرِ کامل میسر نہیں ہو سکتا۔ پس لازم ہے کہ اہلِ تصوّف کی طرف رجوع کریں۔

کما قال اللہ تعالیٰ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (سورہ انبیاء)

یعنی اہل تصوف اہل الذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔ چوں کہ اہلِ تصوف ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اس لیے ان کا نام اہلِ ذکر رکھا گیا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّجْلِسَ مَعَ اللّٰهِ فَيَجْلِسْ مَعَ اَهْلِ الذِّكْرِ۔ اس حدیث کو مولانا روم صاحبؒ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے۔ یعنی جو شخص یہ ارادہ کرے کہ خدا کے ساتھ بیٹھوں پس وہ صوفیوں میں بیٹھے کہ وہاں بغیر ذکرِ خدا کچھ تذکرہ نہیں ہوتا۔

(بقیہ صـ76 پر)
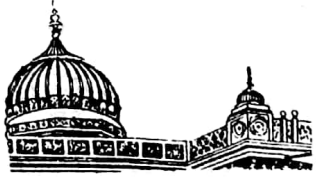
مولوی محمد حنیف لطیفی ویلوری

خالقِ ارض سما اور فاطرِ کون و مکاں نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی علم کی اہمیت کو واضح کر دیا تھا۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء کی عطا کا اعلان کر کے انسان کی فضیلت کو علم سے وابستہ کر دیا گیا۔

انسانیت کے اولین معلم و راہ نما ابتدا ہی سے انبیاء و رسل رہے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ نوعِ انسان کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اسلام میں حصولِ تعلیم کا پہلو دیگر ادیان کے مقابلہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں ایمان اور علم لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان و علم کو روشنی سے تعبیر کیا گیا تو کفر و جہالت کو ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ارشاد فرمایا گیا: اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا، جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم ادا کیا گیا۔

تعلیم کا مقصد انسان کو مہذب اور شائستہ بنانا ہے۔ ایک طرف تعلیم کتاب و حکمت اور دوسری طرف تربیتِ کردار اور عمل یعنی تعلیم حاصل کرنے والے کو اللہ رب العزت اور اس کے بندوں کے متعلق حقوق و فرائض کا علم ہو۔ اس کو صرف اپنی ضروریات اور مادی ترقی کا خیال نہ ہو بلکہ دوسرے انسانوں کی بھلائی اور نفع رسانی کا احساس بھی ہو تعلیم کی اصل غرض و غایت تمام خلقِ خدا کی اصلاح اور فلاح ہے۔

دینِ اسلام کا پہلا سبق حصولِ علم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ ارشاد ہوا: اے نبیؐ پڑھو اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ اس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ (سورہ علق)

اسلام کا کمال یہ ہے کہ اس نے علم کے سرمایہ کو مخصوص طبقے سے نکال کر عام انسانوں تک پہنچایا۔ اسلام نے جس تہذیب کی بنیاد ڈالی وہ رواداری، مساوات، اخوت، انصاف اور محبت پر مبنی ہے۔ اس نے علم کو تازہ ہوا اور پینے کے پانی کی طرح ہر انسان کے لیے ضروری قرار دیا۔

اسلام نے درس گاہوں میں بھی کامل مساوات برقرار رکھی ۔ اور امراء کے بچوں، شہزادوں کو بھی غریبوں کے درمیان بٹھایا۔ اور علم کی دنیا سے چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کا امتیاز مٹا دیا۔ دُنیا کے سب سے بڑے معلم رحمت عالم سید العرب والعجم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں مقام صفہ پر جو ایک اقامتی درس گاہ تھی، قائم کی۔ اس کے چشمۂ فیض سے امیر و غریب، خوش حال اور فاقہ مست یکساں سیراب ہوئے ۔

اسلام دنیا کو ایسا اصولِ حیات دیتا ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی ان تمام ضرورتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ انسانی فطرت جن کا تقاضا کرتی۔ ایک قدیم عربی کہاوت میں علم کے تین خانے متعین کئے گئے ہیں :

۱۔ فقہ دین کے لیے ۲۔ نحو زبان دانی کے لیے اور ۳۔ طب صحت جسمانی کے لیے

اسلام تمام شعبوں میں تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔ اس کی رُو سے کسی ایک شعبۂ علم میں اختصاص حاصل کرنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ دیگر علوم کو نظرانداز کر دیا جاے ۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کسی ایک شعبۂ علم میں تخصص کے حامل علماء وہ ہوتے ہیں جو دیگر مروجہ علوم کی بنیادی باتوں سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے اور ان معاملات میں دین و شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دوسرے تمام طبعی علوم و فنون میں مسلمان مفکرین اور علماء اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان علوم کو ایسے اثرات اور تصورات سے پاک کردیں جو دین کی بنیادی احکام سے مطابقت نہ رکھتے ہوں یا جب بھی کوئی فلسفی یا مفکر سائنس داں کوئی ایسی بات لکھ دیتا جو دین اور وحیٔ الٰہی سے متصادم ہوتی تو علماء فوراً اس کی گرفت کرتے ۔ اس کوشش اور احتیاط کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے عقائد اور تصوّرات پر کسی طرح کے منفی اثرات نہیں ہونے پاتے تھے اور کسی علم کا فروغ عقائد کے لیے خطرہ نہ بن سکتا تھا ۔

نئے نئے علوم کے حصول، تحقیق اور دریافت کا یہ سلسلہ تقریباً ہر دور میں جاری رہا۔ علماء و مفکرین اور اہلِ تحقیق و اربابِ دین و دانش کی قدر و منزلت عمومی طور پر مسلم معاشرہ میں ہمیشہ رہی ۔ علم کی جو اہمیت اسلامی نقطۂ نظر سے متعین ہوی وہ شاید ہی کسی مذہب یا فلسفۂ فکر میں ہو۔

قرآن کہتا ہے کہ: "کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ان کے برابر وہ لوگ ہوسکتے ہیں جو علم نہیں رکھتے ؟ یقیناً وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے ۔" (سورۃ الزمر)

قرآنِ کریم قدم قدم پر سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے ۔ یہ شجر و حجر، یہ باغ و صحرا، یہ چاند ستارے اور یہ سلسلۂ روز و شب یہ چرند و پرند اور یہ حیوان و انسان سب اللہ رب العزت کے پیدا کردہ ہیں ۔ ہم اپنے ربِ حقیقی کی

قدرت اور صناعیوں کا جتنا مشاہدہ کریں ہماری عقل وفہم اور ایمان کی روشنی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ انسان کے فکر و عمل کا دائرہ یہ پوری کائنات ہے۔ جس کا مطالعہ اسلامی ذہن وفکر رکھنے والے دانش وروں کے فرائض میں شامل ہے۔

قرآن مجید میں انبیائے سابقین ؑ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کن انبیائے کرامؑ کو کون سے علم سے نوازا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کائنات کا وسیع علم، حضرت داؤد علیہ السلام کو صنعت و حرفت کا علم، حضرت سلیمان ؑ علیہ السلام کو امورِ مملکت کے علاوہ جانوروں کی بولیوں کا علم، حضرت یوسف علیہ السلام کو تاویل الاحادیث یعنی تعبیراتِ خواب کا مکمل علم، حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی امور کا علم اور خود نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: کہ ہم نے تم کو وہ سب کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ تعالےٰ کا بڑا افضل ہے۔ (سورۂ نساء)

حضور سید الاولین والآخرین خاتم النبیین اور خاتم المعلمین ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ آپؐ کے عطا کردہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ آپؐ کے عطا کردہ نظامِ تعلیم میں ہر شعبے کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے اور اس کے لیے وضع اشارات و ہدایات موجود ہیں، جو قیامت تک دنیا والوں کی راہ نمائی کرتے رہیں گے۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ علم سیکھو اور سکھاؤ۔ (بیہقی) علم سیکھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (بیہقی) علم سیکھنے کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے (سنن ابوداؤد) علم تا دمِ زیست حاصل کرو۔ احترام استاد کے بارے میں فرمایا گیا: جس سے علم سیکھو اس کی عزت کرو، اس کا ادب کرو۔ (ترمذی)

آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جو اہمیت ساڑھے چودہ سو برس پہلے تھی۔ آج کے ایٹمی دور میں بھی وہ اسی قدر عظمت و اہمیت کی حامل ہے۔ آپؐ کا عطا کردہ دین سلامتی کا دین ہے اور آپؐ کا بخشا ہوا علم نافع بھی ہے سلامتی کا مظہر بھی۔

علم دراصل اپنی حقیقت کے اعتبار سے آفاقی ہے۔ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی، نہ شمالی ہے اور نہ جنوبی۔ اس کا کوئی رنگ و نسل اور علاقہ و وطن نہیں ہے۔ وہ ایک لامحدود روشنی ہے جو انفس و آفاق کو منوّر کئے ہوئے ہے۔ اس کا منبع خدائے بزرگ و برتر کی ذات لم یزل و لایزال ہے۔ •

حافظ مولوی محمد فیاض لطیفی ٹرپلوری کا زمرۂ سابعہ : دارالعلوم لطیفیہ : حضرت مکان، ویلور

اک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

اولیائے کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین امت کے روشن چراغ ہیں۔ان کی مقدس محفلوں میں جانے والے کبھی نامراد نہیں ہوتے۔یہ ایسی محفلیں ہیں جہاں اسلام کی حقیقی روح دکھائی دیتی ہے۔جہاں گم کردہ راہ' راہِ مستقیم اختیار کرتے ہیں شرابِ معرفت ملتی ہے۔قلب کو سکون ،روح کو تسکین اور عمل میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔اللہ تبارک وتعالےٰ نے ان کے فیضِ محبت سے ذرّہ کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیا اور سنگریزوں کو لعل اور جواہر میں بدل دیا۔بُرے بھلے بن گئے اور بھلوں کو مقامِ ولایت سے سرفراز کردیا۔آج بھی دنیا اہلِ دل حضرات سے خالی نہیں ہے بلکہ انھیں سے دنیا کو قیام حاصل ہے۔جب تک یہ حضرات رہیں گے دنیا بھی رہے گی۔خدا ان کی ولایت کے صدقہ سے ہمیں بھی سعادت دارین عطا فرمائے۔

حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے آپ کے کسی مرید نے دریافت فرمایا کہ حضور! اولیاء اللہ اور صلحاء کی کی خدمت میں حاضر ہونے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ حضور غوث پاک نے جواب دیا : اے عزیز! اللہ والوں کی صحبت اختیار کر،کیوں کہ ان کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب کسی پر نظر اور توجہ کرتے ہیں تو اُسے روحانی حیات بخشتے ہیں۔وہ جس طرف بھی نظر ڈالتے ہیں وہ نظر اثر آفریں ہوتی ہے۔اگرچہ وہ یہودی ہو یا عیسائی ہو یا مجوسی پرسی کیوں نہ ہو حلقہ بگوش اسلام ہوجاتا ہے۔جس مسلمان پر نگاہ کرتے ہیں تو اس کے ایمان ویقین اور استقامت میں زیادتی ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک کفن چور تھا،جس کے کانوں میں حضرت بایزید کی پارسائی اور خداترسی کے واقعات پڑتے رہتے تھے۔آخر کار اس کا دل گناہوں سے ہٹ کر نیکی کی جانب مائل ہوگیا۔

جس کی وجہ سے وہ شخص حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دستِ حق پرست پر گناہوں سے توبہ کی اور دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے دعا مانگی کہ اے خداوندِ کریم! اس کے گناہ بخش دے اور سچی توبہ کی توفیق عطا فرما۔ جب حضرت بایزید نے دعا کی تو معصیت سے آلودہ انسان پاک ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت بایزید اس کی خاطر مدارت میں مصروف ہو گئے۔ یہ خاطر مدارت مادی نہیں بلکہ روحانی تھی۔ اس دوران حضرت بایزید نے پوچھا: اے فرزند! اپنی گناہ کی زندگی میں تم نے کتنے کفن چرائے ہیں؟ کفن چور نے کہا کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہو گی۔ تو حضرت نے دریافت کیا کہ تم نے جتنے بھی کفن چرائے ان میں سے کسی ایک کا چہرہ بھی قبلہ کی جانب تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان میں سے دو ایسے تھے جن کا منہ قبلہ کی جانب تھا باقی سب پشت بہ قبلہ تھے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے پوچھا کہ مردوں میں پشت بہ قبلہ ہونے کی وجہ کیا تھی؟ تو حضرت بایزید فرمانے لگے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کو اپنے رب پر اعتماد نہیں تھا۔ یعنی دنیوی زندگی بھی ان کا رُخ اپنے رب کی رحمت کی جانب نہ تھا اس لیے اخروی زندگی میں بھی روبہ قبلہ نہیں ہو سکے۔ جن کا چہرہ قبلہ کی جانب تھا وہ خدا پر بھروسہ کرنے والے تھے اس لیے قبر میں بھی ان کی نظریں رحمتِ خداوندی کی جانب تھیں۔ لہٰذا جس نے یہاں رہ کر ادھر کا رُخ نہیں کیا مرنے کے بعد بھی اس کا رخ ادھر کیسے ہو سکتا ہے!

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے کسی عقیدت مند نے عرض کیا کہ حضور! آپ ایک خرقہ مجھے تبرکاً عنایت فرمائیے تاکہ میں اس سے اکتسابِ فیض کرتا رہوں۔ یہ سن کر حضرت جنید نے فرمایا: کہ اگر میں تمہیں اپنے جسم کی کھال اتار کر دے دوں تو بھی وہ تمہارے لیے ذریعۂ نجات اور موجبِ برکت نہ ہو گی اور نہ وہ عرفان حاصل کرنے میں کوئی مدد دے گی۔ ذریعہ اور وسیلۂ معرفت، نیکی اور تقویٰ ہے۔ رزقِ حلال اور صدقِ مقال ہی عرفان تقویٰ کی جان ہے۔ روح کو جاں بخشتی ہے اور بندے کو مالک کا قرب عطا کرتی ہے۔ جو انسان ان چیزوں سے محروم رہتا ہے اس کے لیے کوئی متبرک چیز مفید نہیں ہو سکتی۔

خلیفۂ ہارون الرشید کے کسی ایک لڑکے کے مکان میں محفلِ سرود گرم تھی۔ دوست واحباب جمع تھے۔ رقص وسرود کی گرم بازاری تھی۔ قریب ہی ایک بچہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ بچہ نے جس وقت یہ آیت پڑھی: الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم عن ذکر اللہ ۔ یعنی مومنین کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر کے آگے جھک جائیں: تو اس کے جسم پر خداوندِ کریم کے خوف سے لرزہ طاری ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہچکی بندھ گئی۔ جمی جمائی محفل کو چھوڑ کر جنگل کی راہ اختیار کی۔ عرصۂ دراز تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ زندہ ہے یا مرا۔ ایک مرتبہ کسی مردِ عابد کی دیوار کثرت بارش سے گر پڑی تھی۔ مرمت کے لیے کسی معمار کی ضرورت تھی۔ ایک نوجوان رسی اور کلہاڑی لیے ہوئے

ملا۔ تومرد بزرگ نے دریافت کیا کہ کیا تم مزدوری کرنا چاہتے ہو؟ تو نوجوان نے جواب دیا: ہاں! مگر تین شرطوں کے ساتھ۔
ا۔ جو اجرت آپ مقرر کریں اس میں کمی نہ کریں۔ ۲۔ میری طاقت سے زیادہ کام نہ لیں۔ ۳۔ نماز کے وقت مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دینا۔ مرد بزرگ شرطیں منظور کرلیں اور اس کو کام پہ لگا کر خود کسی ضرورت سے شہر میں چلے گئے۔ بعد مغرب واپس آئے تو دیکھا دیوار تیار ہو چکی تھی۔ اجرت ادا کردی وہ نوجوان مزدور چلا گیا۔ دوسرے دن بزرگ نے نوجوان کو تلاش کرنے کی غرض سے بازار تشریف لے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہفتہ میں صرف ایک روز مزدوری کے لیے آتا ہے۔ اتنا سننے کے بعد انھیں یقین ہوگیا کہ وہ خدا کا ولی تھا۔ لہٰذا دریافت کرتے ہوئے نوجوان کے ٹھکانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ بیمار رہے۔ اس مرد بزرگ کا بیان ہے کہ میں ان کو بہ اصرار تمام اپنے گھر لے آیا۔ مگر انھوں نے میرے پاس تین دن تک کچھ کھایا نہ پیا۔ چوتھے دن جب حالت دگرگوں ہونے لگی تو مجھے بلا کر وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے گلے میں رسی ڈال کر مکان کے چاروں طرف کھینچنا اور کہنا کہ جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے اس کی سزا یہ ہے۔ اس بہانے میری مغفرت ہوجائے اور مجھے ایک کپڑے میں دفن کرنا اور میری انگوٹھی اور قرآن شریف امیر المؤمنین ہارون الرشید کے پاس پہنچا دینا۔ اور کہنا کہ اس کے مالک نے تم کو سلام عرض کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہنا۔ وصیت کے کچھ دیر بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ وصیت کے مطابق میں نے چاہا کہ گلے میں رسی ڈالوں تو غیب سے آواز آئی کہ خبردار! خدا کے ولی کی بے حرمتی نہ کرنا۔ مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ میں نے از راہ ادب قدم بوس ہوتے ہوئے تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگیا۔ اور جب چیزیں امیر المومنین کو پیش کیا تو امیر المومنین ہارون الرشید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

ناظرین کرام! اس بزم اہلِ دل میں آپ کی شرکت یقیناً روح میں تازگی اور ایمان میں بالیدگی کا باعث ہوی ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اولیاءِ کرام اور صلحاءِ امت کی محبت بابرکت سے ہمیں فیض یاب کرے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ٭
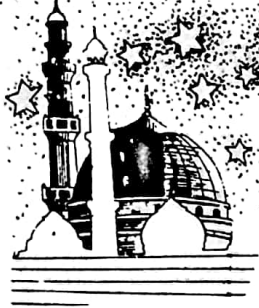
مولوی یف ایم جعفر عبد اللہ ویلوری: متعلم زمرۂ سابعہ: دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور۔

یہ بات مسلّم اور متفق علیہ ہے کہ عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں عرب میں عام طور پر نوشت وخواند کا رواج نہ تھا۔ اس کے لیے کوئی باقاعدہ درسگاہیں قائم نہیں تھیں۔ جنھوں نے معمولی لکھنا پڑھنا کہیں سے سیکھ لیا تھا وہ بھی شاذ و نادر اور عزیز الوجود تھے۔ کلام پاک بھی ایک ہی دفعہ میں بصورتِ کتاب نازل نہیں ہوا۔ بلکہ حسبِ ضرورت رفتہ رفتہ تیئیس۲۳ سال کے عرصہ میں پورا ہوا تھا۔ اسی طرح ارشادات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک ہی وقت یا ایک ہی مجلس میں تمام نہیں ہوے تھے۔ اس لیے احکامِ شریعت ابتداءِ نبوت سے مجموعی طور پر باقاعدہ تدوین وکتابت کی شکل میں نہ آے تھے اور طریقِ تعلیم رسولِ امّی صلے اللہ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر زبانی و عملی تھا۔ بعد قبولِ اسلام صحابہ کرام میں سے جو کوئی دربارِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے یا کوئی عمل آپؐ کا دیکھتے اس کو خوب یاد رکھتے اور عمل کرتے اور جو لوگ اس مجلس میں موجود نہ ہوتے اُن کو جا کر سناتے بتاتے اور عمل کراتے اسی طرح جو لوگ فاصلہ پر سکونت پذیر ہوتے وہ باہمی یہ انتظام کرلیتے۔ اِن میں باری باری ایک شخص ایک دن ایک رات سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برابر حاضر رہتا اور جو کچھ آپؐ سے سُنتا یا کسی عمل کو کرتے ہوئے دیکھتا اپنے لوگوں میں آکر سُناتا اور جو لوگ دور دراز مسافت پر ہوتے اُن کی تعلیم کے لیے بوقتِ ضرورت ہادیٔ عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود یا ان کی درخواست پر اصحاب حاضرین میں سے کسی کو بھجوا دیتے یا کبھی کبھی وہ خود آکر مستفید و مستفیض ہوتے اگر واقعۂ نو پیش آتا تو دور و نزدیک کے اصحاب خود حاضر ہوکر یا کسی کو بھیج کر حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتے۔ جس پر صحابۂ کرام بے چون وچرا اور بے کم وکاست عمل فرماتے تھے۔ ایک اعرابی فخرِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتا دیجیے کہ میں اس کو کروں تو جنّت میں داخل ہوجاؤں تو حضور اقدس

صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو ارکان خمسہ کی تعلیم دی ۔ یہ سن کر اس اعرابی نے کہا : قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ اس سے کم ۔ جب وہ اعرابی چلا گیا تو نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ جنّت والوں میں سے کسی آدمی کو دیکھے تو وہ اس اعرابی کو دیکھے ۔ (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ احکام دینی کو بلا کم وکاست قائم رکھ کر عمل کرنا بڑی سعادت اور وسیلۂ نجات آخرت ہے ۔ اور ان میں تصرف ۔ یا تحریف کرنا بڑی شقاوت اور ذریعۂ عذاب ہے ۔ اسی وجہ صحابۂ کرام کو اتباعِ نبوی کا پورا خیال اور کامل اہتمام تھا ۔ چناں چہ فرائض وواجبات جیسے امورِ عظیمہ کا ذکر ہی کیا ہے خفیف خفیف باتوں بلکہ امور اتفاقیہ میں بھی صحابۂ کرام مخالفت روا نہ رکھتے تھے ۔ جیساکہ ذیل کے واقعات سے ان کی تصدیق ہوتی ہے ۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کے تحت ایک انگوٹھی بنوائی اور پہنی تو سب صحابہ نے جن کو اس کا علم تھا انگوٹھیاں بنوائیں اور پہن لیں ۔ جب آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتار پھینکا تو سب نے اتار کر پھینک دی ۔ (بخاری)

ایک صحابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا تکمہ کھلا ہوا تھا تو وہ صحابی عمر بھر اپنے کرتے کا تکمہ کھلا رکھا ۔ (ابوداؤد)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہنسے ۔ وجہ دریافت کرنے پر آپؓ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرح ہنستے دیکھا ہے ۔ (بخاری)

ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مقام پر راہ سے ہٹ کر چلنے لگے ۔ ان سے دریافت کیا تو کہا : میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمیشہ ما بین مکہ و مدینہ ایک درخت کے نیچے جاکر قیلولہ کرتے تھے ۔ لوگوں کے پوچھنے پر کہا : میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ۔

بعض صحابہ کا یہ حال تھا کہ جہاں کہیں آپ صلے اللہ علیہ وسلم سفروں میں اترے اور قضائے حاجت کی تو وہ بھی بلا ضرورت وہاں اترے اور قضائے حاجت کی ۔ (ابوداؤد)

الغرض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین آج کل کے علماء کی طرح کتابی علوم وفنون کے ماہر نہ تھے کیونکہ اس قسم کے ذخیروں اور مجموعوں کا وجود ہی اس وقت نہ تھا تاہم ان میں بعض نفوس بھی تھے جو قدیم آسمانی علم وفضل کی وجہ سے یہود ونصاریٰ کے علماء سے بھی ممتاز تھے اور ان میں ایسے بھی تھے جن کی عقل ودوراندیشی اور رائے صاحبِ وحی الٰہی کے موافق ہوتی تھی علاوہ ازیں زباندانی تو بالعموم صحابۂ کرام کی خانہ زاد تھی ۔ برجستہ مسجع ومقفیٰ تقریر کرنا روزمرہ کا معمول تھا ۔ اور بے ساختہ وبے تامل

نظم واشعار میں واقعات بیان کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ اگر بعد وفاتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اپنی اپنی رائے وعقل پر اعتماد کر بیٹھتے تو اسی وقت دین میں بہت کچھ تغیّر و تبدل واقع ہوجاتا اور بالفرض صحابہ اگر اپنی قیاس پر چلتے بھی تو احق بالاولی تھے۔ مگر ان حضرات بابرکات نے معجزات وکمالاتِ ظاہری وباطنی میں کامل پاکر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو نبیٔ برحق تسلیم کیا تھا اور حقیقی دوراندیشی سے کام لے کر اپنے دل ودماغ وغیرہ سب کو فرمانِ نبوت ہی کے ماتحت کردیا تھا۔ چناں چہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے وقت دو چیزیں یعنی کلام اللہ شریف دوسرا اپنی سُنّت صحابہ کرام میں چھوڑ گئے تھے اور کہا تھا کہ جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے گمراہ نہ ہوں گے۔ (مشکوٰۃ)

شاید اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے دَورِ خلافت میں اخذ حدیث اور نقل حدیث دونوں میں غیر معمولی غور وخوض اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔

عہدِ فاروقی میں صحابۂ کرام نے حدیث کی حفاظت کیسے کی اِس کا اندازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے جواب سے ہوتا ہے۔ حضرت ابو سلمہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کہ آپؓ حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں بھی حدیث بیان کرتے تھے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں جس طرح آج حدیث بیان کرتا ہوں اُس وقت بیان کرتا تو حضرت عمر فاروقؓ مجھے کوڑے سے مارتے۔ یہ اس وجہ سے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کی یہ سختی قرآنِ کریم اور حدیث شریف دونوں کی حفاظت کے لیے تھی۔ انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں صحابہؓ صرف قرآنِ مجید جمع کرنے میں نہ لگے رہ جائیں۔ اس لیے پہلے خوب اہتمام کے ساتھ قرآنِ مجید جمع ہوا۔ پھر صحابہؓ نے باقاعدہ پوری توجہ حدیث جمع کرنے پر مبذول کی۔ جو عہد رسالت میں مرتب نہ ہوسکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے خوب تحقیق کرکے کم سے کم روایت کرنے کا ایک نظام بنایا، تاکہ نقلِ روایت میں کوئی غلطی نہ ہوجائے۔ اس لیے جرح وتعدیل اور تحقیق وجستجو میں حضرت عمرؓ بڑا امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ غرض صحابہ کرام نے حدیث کے معاملہ میں نہایت درجہ اہتمام فرمایا اور بکثرت روایت کرنے میں محتاط رہے۔ اس لیے کہ کثرتِ روایت غلطی اور کذب کا سبب ہوتی ہے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جان بوجھ کر غلط بات منسوب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

"مَن روی عنی حدیثاً وهو يعلم انه كذب فهو الكاذبين"۔ یعنی جو شخص جانتے ہوئے کوئی غلط اور جھوٹی حدیث مجھ سے بیان کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: "کفٰی بالمرء کذبًا ان یحدث بکل ما سمع"۔ کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ سُنی ہوئی بات بلاتحقیق بیان کردے۔ صحابہ کرام تو عام حالات میں بھی کذب بیانی سے ڈرتے تھے پھر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کذب بیانی

کی جسارت کیسے کرتے۔ الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کذب بیانی سے کام لینے کی بجائے اچھا یہ ہے کہ آسمان کی بلندی سے گر کر اپنی جان دے دوں۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے لوگوں سے سُنی ہوئی باتوں کی خوب چھان بین کی ہاں جن صحابہ کرام میں غیر معمولی شغف و بے پناہ قوت حافظہ، ثقاہت اور اتقان سے حضرت عمرؓ واقف تھے، انھیں حدیث بیان کرنے کی عام اجازت بھی عطا فرما دی تھی۔ حاشا و کلّا!

قلّتِ روایتِ حدیث بے رغبتی کی بنا پر نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لیے صحابہ کرام کے اس طرزِ عمل اور فاروقِ اعظمؓ کے سخت رویہ کی وجہ سے۔ یہ سوچنے کی بھی اجازت ہے کہ انھوں نے (معاذ اللہ) حدیث سے دلچسپی نہیں لی ہے یا اسے یونہی چھوڑے رکھا تھا۔

حدیث سے والہانہ شغف اور حدیث کی اتباع اور بے پناہ قلبی احترام اور غیر معمولی لگن تمام صحابہ کرام کی مسلّمہ علامت ہے اور یہ بات بھی درجۂ تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ جب بھی صحابہ کو کسی مسئلہ میں حلال و حرام کرنے کا سامنا ہوتا تو وہ اجتہاد سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع ہوئے اگر قرآنِ کریم میں حل مل جاتا تو اس پر کاربند ہوتے۔ اگر حل نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے، اگر احادیث میں بھی کوئی حل موجود نہ ہو تو پھر اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

چنانچہ باقتضاء بشریت اور طبائع متضاد کے ان میں بھی باہمی اختلاف کا وقوع ضروری تھا مگر سخت سے سخت اختلافات میں بھی انھوں نے کتاب و سنّت کو نہیں چھوڑا اور اُمّتِ محمدیہ کے شیرازہ کو بکھرنے نہیں دیا۔ نیز ہر کام میں چاہے وہ متعلق عبادت ہو، چاہے متعلق معاملات، ان دونوں میں اصولِ اصل کو مضبوط پکڑے رہے اور لوگوں کو برابر طریقۂ محمدی سے واقف کراتے رہے۔ جزاهم الله خير الجزاء۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے اور بڑا اختلاف خلافت کے متعلق واقع ہوا۔ اُدھر مہاجرین کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو ادھر انصار اپنا حق ظاہر کر رہے تھے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے" الائمۃ من القریش"، یعنی امامت قریش کا حق ہے۔ یہ سنتے ہی انصار کا سارا جوش ختم ہو گیا۔ (فتح الباری)

دوسرا واقعہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا تھا صحابہؓ میں اختلاف ہوا کہ آپؐ کس مقام میں دفن ہوں؛ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ نبی جہاں کہیں انتقال کریں وہیں دفن کئے جائیں۔ آخر اسی پر عمل کیا گیا۔

خلافتِ ابوبکر صدیقؓ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کی نسبت سوال کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہؓ کی موجودگی میں قسم دے کر کہا: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا، جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا، ہاں۔ (بخاری)

حضرت عمر فاروقؓ کو دورانِ سفرِ شام معلوم ہوا کہ وہاں طاعون ہے تو مشورہ کیا گیا۔ ایک جماعت نے کہا واپس لوٹنا مناسب ہے۔ دوسری جماعت نے کہا: ہمیں چلنا چاہیے۔ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عوفؓ جو اس گفتگو میں موجود نہ تھے آگئے اور طرفین کی تقریر سن کر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جس جگہ تم ہو اور طاعون ہو تو وہاں سے بھاگو نہیں اور جہاں طاعون ہے وہاں جاؤ نہیں۔ (بخاری) پس فرمانِ رسالت سنتے ہی سب نے سرِ تسلیم خم کر لیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مسجد نبویؐ کی توسیع اور اس کو توڑ کر مضبوط بنانے کی بابت اعتراض کیا گیا تو آپؓ نے جواب میں کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ جس نے خدا کے لیے مسجد بنائی خدا اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

بہرحال صحابہ کرامؓ جب بھی لفظ حدیث کی نسبت سنتے تو اپنے آپ کو فوراً عمل کی طرف مائل و راغب کرتے۔ بالعموم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا دستور یہی تھا اور تابعین بھی اسی کے پابند رہے۔ بلکہ اُس دور کا ہر شخص اپنے شوق اور توفیق کے موافق احادیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معلوم کرتا اور جہاں جس سے بھی ملتی حاصل کر لیتا اور عمل و دعوت شروع کر لیتا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام اور تابعینِ عظام سے متواتر ثابت ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث پہنچتی تو بغیر کسی شرط کے وہ حضرات عمل کرتے تھے۔ مگر آج اتنے فرقے ہو گئے ہیں جن کا احاطہ دشوار التحریر ہے جس کی وجہ اکثر و بیشتر عبادات میں اختلاف۔ یہ حضرات کسی پر متفق ہیں تو وہ ہے حدیث صحیح یعنی ہر فرقہ اور ہر مسلک یہی کہتا ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ کیونکہ ہماری تنظیم ضعیف حدیث کی قائل نہیں ہے اور نہ ہی ہم بے سند احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ہم تو احادیثِ صحیحہ پر عمل کرنے والے ہیں۔

حاصلِ کلام! آج احادیثِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے لیے سب سے پہلے کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے تو وہ ہے لفظ صحیح اور لفظ ضعیف۔ انھیں دو لفظوں پر احادیث کے عمل کا دارومدار ہے۔ جو قابلِ تردید ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام صحیح یا ضعیف نہیں دیکھے۔ وہ صرف قول کی نسبت کو دیکھتے تھے، بلکہ یہاں تک بتایا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے امورِ اتفاقیہ میں بھی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ غرض صحابہؓ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمان متبع سنّت اور کامل طور پر واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً وّلا تفرقوا کے مصداق تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے ۔ آمین!

عظمت والدین پر ایک نظر

حافظ تبریز : زمرۂ ثالثہ : دار العلوم لطیفیہ : حضرت مکان۔ ویلور

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَـقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک اچھا انسان بنایا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرما کر دُنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے نوازا۔

مذکورہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اپنے والدین پر احسان کرو اگر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکی دو اور ان کے ساتھ ادب اور محبت آمیز گفتگو کرو۔

حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اور حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقوق اللہ یعنی اللہ کا حق اور دوسرا حقوق العباد یعنی بندوں کا حق۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنا حق معاف کر دیگا لیکن بندے کا حق جب تک بندہ معاف نہیں کرے گا اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دے کر سب سے پہلے جس بات سے آگاہ کیا تھا وہ یہی ہے کہ والدین پر احسان کرو، پھر ان کی عظمت بھی بیان کر دی اور ان کے ساتھ کس طرح سے سلوک کرنا چاہیے وہ بھی واضح طور پر بیان فرما دیا۔

والدین کے مقام اور مرتبہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے اور ان پر احسان کرنے کی تعلیم دی ہے۔ آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کی رفعت شان بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: الجنة تحت اقدام الامہات: جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ نیز فرمایا کہ ابائکم والواب

الجنۃ: تمہارے باپ جنّت کے دروازے ہیں۔

آئیے دورِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عبرت انگیز واقعہ سننے چلیے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ اُن کا نام علقمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جب آپؓ پر سکرات الموت طاری ہوی تو حضور اکرمؐ نے کلمہ کی تلقین کے لیے چند صحابہؓ کو بھیجا۔ ان اصحابِؓ رسولؐ نے لاکھ کوشش کی مگر ان کی زبان سے کلمہ جاری نہ ہوا۔ آخر حضرات بلال رضی اللہ عنہٗ نے نبی اکرمؐ کو ساری کیفیت سے آگاہ فرمایا۔ سرکار دو عالمؐ نے پوچھا کہ اُن کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہیں؟

تو جواب ملا کہ علقمہؓ کی بوڑھی ماں زندہ ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے حکم دیا علقمہؓ کی بوڑھی ماں کو حاضر کیا جاے چنانچہ حکم کی تعمیل ہوی۔ والدہ محترمہ دربار نبویؐ میں حاضر ہوئیں تو حضورؐ نے پوچھا: بتاؤ علقمہؓ کیسے شخص تھے تو فرمانے لگیں یا رسول اللہ کان قائم اللیل وصائم النہار: اے اللہ کے رسول علقمہؓ راتوں میں نماز پڑھتے اور دن میں روزہ رکھتے۔ وکان یتصدق ویجاھد فی سبیل اللہ: اور کثرت سے صدقہ کرتے تھے ایسے ہی راہِ خدا میں جہاد بھی کرتے تھے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا بتاؤ علقمہؓ کا سلوک تمہارے ساتھ کیسا تھا؟ یہ سُن کر فرمانے لگیں: اے میرے آقاؐ میں ان سے ناراض ہوں کیوں کہ وہ مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیتے تھے۔

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اگر تم معاف نہ کروگی تو اُن کی زبان سے کلمہ جاری نہ ہوگا اور نہ وہ جنّت میں جائیں گے۔ بوڑھے لوگوں میں ضد ہوتی ہے۔ اسی ضد میں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! میں ہرگز معاف نہ کروں گی۔ یہ سُن کر آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں جمع کرکے آگ لگادو اور اس میں علقمہؓ کو جلاکر راکھ کردو۔ یہ سننا ہی تھا کہ علقمہؓ کی والدہ نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے نورِ نظر کو جلادیا جائے گا۔ سرکارؐ نے فرمایا: آخرت میں دوزخ میں جلنے کی بجائے یہاں جل جانا بہتر ہے۔

یہ سُن کر علقمہؓ کی ماں چیخ کر کہتی ہیں: میرے آقاؐ! آپؐ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے علقمہؓ کو معاف کردیا۔ اِدھر یہ الفاظ ماں کی زبان پر ہی تھے کہ اُدھر علقمہؓ کی زبان سے کلمہ جاری ہوا اور وہ جان بحق ہوگئے۔ من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ فھو دخل الجنۃ: جس شخص کی زندگی کا آخری کلمہ لا الٰہ اِلّا اللہ ہوگا، وہ جنّت میں داخل ہوجاے گا

محترم قارئین! حضرت علقمہؓ عبادت گزار ہونے کے باوجود اُن کی زبان سے موت کے وقت کلمہ جاری نہ ہو سکا۔ اور اس وقت تک جاری نہ ہوا، جب تک کہ ماں نے انھیں معاف نہ کیا۔

(بقیہ صفحہ 147 پر)

محمد اکبر شریف زمرۂ ثالثہ : دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی وَاِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِالۡقِسۡطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ (مائدہ)

قرآنِ حکیم کی یہ دو آیتیں ہیں: اللہ پاک مسلمانوں سے مخاطب ہے کہ تم اپنے تمام معاملات میں عدل و انصاف کو مدِّنظر رکھو کیونکہ یہ تقویٰ و پرہیزگاری سے بہت قریب ہے۔ اگر تمہیں حاکم بنایا جائے تو تم انصاف سے ان کا فیصلہ کرو اور اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اسلام ہی وہ سچا مذہب ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور انسانوں کو ہر معاملہ میں ہر حالت میں انصاف اور عدل کے قیام کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس بات کا حکم دیتا ہے کہ انصاف قائم رکھو۔ کہیں تمہارے ہاتھ سے انصاف کا دامن نہ چھوٹ جاے۔ ظلم کی ضد انصاف ہے۔ یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے کہ اگر انسان اس کو اپنالے تو زندگی میں رونما ہونے والے تمام جھگڑے اور اختلافات سے نجات پاجائے گا۔ اور ساری دنیا میں امن و سکون کی فضا قائم ہوجاے گی۔ وہ لوگ جن کا دل خوفِ الٰہی اور فکرِ آخرت سے لبریز ہو، تقویٰ و طہارت جن کا اوڑھنا اور بچھونا بن جاے اللہ کا قرب حاصل کرنا ان کی زندگی کا مقصد ہوجاے تو ایسے لوگ ہی عدل و انصاف کو قائم کریں گے۔ جب ایسے لوگ کسی معاملہ میں منصف بن جائیں تو ہر قسم کے رشتے ناطے اور فرقِ مراتب کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی چیز اگر رہتی ہے تو بس احکامِ خداوندی اور حق رہتا ہے۔ جس کے تحت وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپؓ کے ایک فرزند حضرت ابو شحمہؓ جو انتہائی خوش گلو تھے۔ آپؓ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ اڑنے والے پرندوں پر محویت طاری ہوجاتی تھی۔ ایک یہودی جو آپؓ کا قدیم دوست تھا حاضرِ خدمت ہوکر کہا: ابو شحمہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک ایسی دوا پلاؤں جس سے تم اور بھی خوش گلو ہوجاؤ۔ آپؓ راضی ہوگئے۔ یہودی آپؓ کو ایک باغ میں لے گیا۔ جہاں آپؓ کو دوا کی شکل میں شراب پلادی اور آپؓ کو ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ تنہا

چھوڑ کر چلا گیا۔ حالتِ نشہ میں ابوشحمہؓ سے غلط کاری ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو بہت نادم اور شرمندہ ہوئے اور توبہ و استغفار کرنے لگے۔ آپ کو ہمیشہ اسی بات کی فکر رہتی تھی کہ کہیں یہ راز کھل نہ جائے۔

چند مہینوں کے بعد یہ راز اس طرح کھل گیا کہ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ وعظ میں مصروف تھے مسجد نبویؐ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک اجنبی عورت گود میں ایک چھوٹے سے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور اپنی ساری کیفیت بیان کی جس سے امیر المؤمنین ابوشحمہ کے راز سے واقف ہو گئے۔ آپ سیدھے گھر پہنچے۔ ابوشحمہ کی بابت اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا۔ جواب ملا کہ وہ ابھی کہیں باہر سے آئے ہیں اور کھانا کھا رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ سیدھے دسترخوان پر پہنچے اور فرمایا کہ ایک بدکار کو میرے دسترخوان پر کھانے کا کوئی حق نہیں بڑھ کر آپؓ نے ابوشحمہ کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائے اور جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ مجرم پر زنا کی حد جاری کرو۔ سارے حاضرین حیرت زدہ رہ گئے۔ امیر المؤمنین کے اس انصاف پر انگشت بدنداں رہ گئے کہ آپؓ نے انصاف اور قانون کے آگے بیٹے تک کی رعایت نہیں فرمائی۔ کسی نے آگے بڑھ کر سفارش کی تو آپؓ نے فرمایا: کہ قانونِ شریعت میں کسی کی سفارش چل نہ سکے گی۔ ابوشحمہ اپنی غلطی کی سزا پا کر رہے گا۔ ابھی سزا دینے کی تیاری ہو رہی تھی کہ ابوشحمہ نے خوف و گھبراہٹ کے عالم میں آخری سانس لی

اسلامی تاریخ میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ خلیفۂ راشد حضرت امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کا زمانہ تھا۔ امیر المؤمنینؓ کی ایک زرہ چوری ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی گئی تو امیر المؤمنینؓ نے چیف قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی حضرت شریحؒ نے عدالت میں دونوں یعنی یہودی اور امیر المؤمنینؓ کو طلب کیا۔ یہودی نے امیر المؤمنین کے دعویٰ کی تردید کی۔ قاضی صاحب نے امیر المؤمنینؓ سے گواہ طلب کئے۔ آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ اور اپنے غلام کو بطور گواہ کے پیش کیا۔ قاضی صاحب نے کہا ان دو کے علاوہ کسی اور کو گواہ میں پیش کرو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں ان دو کے علاوہ کسی اور کو گواہی میں پیش نہیں کر سکتا کیوں کہ اور شاہد نہیں ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے فیصلہ سنایا کہ زرہ کا مالک یہودی ہی ہے کیوں کہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی اور آقا کے حق میں غلام کی گواہی ناکافی ہے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی یہودی اس بے مثال عدالت سے اتنا متأثر ہوا کہ امیر المؤمنینؓ کے قدموں پر گر پڑا اور اقرار کیا کہ زرہ کے حقیقی مالک حضرت علیؓ ہی ہیں اور اسی واقعہ سے متأثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ ایک طرف قاضی حضرت شریحؒ نے شرعی عدالت میں امیر المؤمنینؓ کا لحاظ بھی نہیں کیا۔ اور امیر المؤمنینؓ نے اسلامی عدالت کے سامنے اپنے خلاف صادر ہونے والے فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کیا۔ اس واقعہ سے ہمیں درسِ عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ حق و انصاف کے تحت فیصلہ کرنے کا کس قدر بہترین نتیجہ نکلتا ہے۔ جہاں ظلم ہو، عدل نہ ہو تو ایسے مقام پر برکت اٹھالی جاتی ہے اور بے برکتی اور نحوست کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ جب برکت کی بات آئی تو اس پر بھی ایک واقعہ پیش ہے۔

ایک حکایت ہے کہ نوشیروان عادل ایک مرتبہ شکار کو گیا۔ وہ شکار کرتے کرتے اپنوں سے الگ ہو گیا اور راستہ بھٹک کر بہت دُور چلا گیا۔ اور ایک مقام پر پہنچا کچھ دُوری پر انسانی آبادی کے آثار نظر آے۔ وہ وہاں پہنچے اور ایک باغ کے اندر چلا گیا اور مالی کے پاس جا کر کہا: بھائی! میں بہت تھکا ہوا اور بہت پیاسا ہوں۔ کچھ پلا دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ یہ سُن کر مالی باغ میں گیا اور پیالہ بھر انگور کا شربت لاکر اجنبی مہمان کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ پیاس کی شدّت سے مغلوب ہو کر ایک ہی سانس میں پورا پیالہ پی گیا۔ بادشاہ کو شربت کی شیرینی اور لذّت نے حیرت زدہ کر دیا۔ مالی سے پوچھا کہ تم اتنی جلدی اتنا زیادہ شربت کہاں سے لے آے۔ مالی نے جواب دیا: ہمارا باغ بہت وسیع ہے اور اس میں بے حد رسیلے انگور ہیں۔ جو بہت ہی شیریں اور لذیذ ہیں۔ چناں چہ ابھی جو شربت آپ کو دیا گیا تھا وہ صرف ایک خوشہ کا تھا۔ بادشاہ نے جب یہ بات سُنی تو اُسے حیرت ہوی۔ اور اس نے دل میں سوچا: جب ہماری سلطنت کے حدود میں اتنا وسیع اور عمدہ باغ ہے تو کیوں نہ اس باغ کو بحقِ حکومت قبضہ کر لیا جاے۔ پھر بادشاہ نے مالی سے کہا بھائی پیاس ابھی مکمل بجھ نہ پائی ایک اور پیالہ شربت کا پلا دو۔ مالی باغ میں گیا اور کچھ تاخیر سے شربت کا پیالہ لاکر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس مرتبہ پہلے پیالہ کے مقابلہ میں شربت کم تھا اور جب چکھا تو مٹھاس بھی کم تھی۔ بادشاہ نے مالی سے اس کی وجہ دریافت کی تو مالی نے کہا: جناب اتنا شربت حاصل کرنے کے لیے مجھے یکے بعد دیگرے پانچ خوشوں کو نچوڑنے کی ضرورت پڑی جب کہ پہلی مرتبہ کے پیالہ کو بھرنے میں صرف ایک خوشہ ہی کافی تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: ایسا کیوں ہوا۔ جب کہ پہلے ایک خوشہ کا شربت لائے تھے جو لذیذ تھا اور زیادہ بھی تھا۔ اور اس دوسرے پیالہ کا شربت جو پانچ خوشوں کا ہے پھیکا ہے اور کم بھی ہے۔ یہ سن کر جھٹ سے مالی نے کہا: شاید اس ملک کے حاکم کی نیت بدل گئی ہے اس نے ظلم کا ارادہ کیا ہے اور جہاں ظلم ہوتا ہے وہاں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر مالی سے کہا: بھائی بہت تکلیف دے رہا ہوں مہربانی ہوگی اگر ایک اور پیالہ شربت پلادو پی کر میں رخصت ہو جاؤں گا۔ مالی چونکہ مہمان نواز تھا۔ وہ پیالہ لے کر باغ کو چلا گیا۔ اِدھر بادشاہ اپنی بدنیتی پر نادم ہوا اور ظلم سے باز آنے کا پختہ ارادہ کیا اور توبہ کی۔ کچھ ہی دیر میں مالی واپس لوٹا۔ اس بار پہلی بار کی طرح شربت سے بھرا پیالہ پیش کیا اور کہا جناب اس مرتبہ پھر سے پہلی والی کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ شاید حاکم نے ظلم کا ارادہ ترک کیا ہے اور توبہ کر لی ہے۔

اس واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کو امن و سکون، رحمت و راحت، عظمت و برکت کے لمحات اسی وقت میسّر آئیں گے، جب کہ وہ عدل پر قائم رہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جاے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

خداے پاک ہم تمام مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف کی توفیق دے اور ظلم سے باز رکھے۔ •

خلیفۂ دوم

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حافظ ذاکر لطیفی

آپؓ کا مبارک نام عمر اور لقب فاروق، کنیت ابو حفص۔ لقب اور کنیت دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از قبول اسلام عطا کئے۔ آپؓ کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں رسول کریمؐ سے جا ملتا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نویں پشت میں ایک نام کعب ہے۔ کعب کے دو فرزند تھے۔ مرہ اور عدی۔ مرہ کی اولاد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور عدی کی اولاد میں فاروق اعظمؓ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب ذی جاہ و ذی حیثیت لوگوں میں سے تھے۔ حضرت فاروقؓ کی ولادت سراپا بشارت واقعہ فیل سے تیرہ۱۳ برس کے بعد ہوئی یعنی ہجرت نبویؐ سے چالیس۴۰ سال قبل۔ بچپن ہی سے ذہین، تیز اور دلیر واقع ہوئے تھے۔ آپؓ کا رنگ سفیدی مائل بہ سرخی تھا۔ رخساروں پر گوشت کم تھا۔ قد مبارک دراز تھا۔ لوگوں میں جب کھڑے ہوتے تو سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ آغاز شباب میں فن سپہ گری، پہلوانی خطابت میں مہارت اتنی حاصل کر لی کہ عکاظ یعنی جبل عرفات کے پاس ایک وسیع میدان جہاں پر ہر سال اہل عرب اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہاں آپؓ کشتیاں لڑتے تھے، شہسواری میں آپؓ کی مثال نہ تھی۔ جب بھی آپؓ گھوڑے پر سوار ہوتے تو بغیر ٹیک کے اچھل کر سوار ہوتے تھے اور خطابت بھی بے نظیر تھی۔ انداز بیان اتنا دلنشیں کہ ایک دم دلوں کو موہ لینے والا تھا۔ اس کمال فن کی وجہ سے کفار مکہ نے ان کو سفارت کا عہدہ بھی دیا تھا۔ جب قریش کو کہیں سفیر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو حضرت عمرؓ ہی روانہ کرتے تھے۔ آپؓ نے تجارت کی طرف بھی توجہ دی۔ چنانچہ دور دراز مقامات پر جاتے

اور بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کرتے تھے اور یہ چیز ان کے لیے ترقی کا باعث بنی اور اسی سے اُن کے اندر معاملہ فہمی کے اوصاف پیدا ہو گئے۔

اسلام کی آواز اُن کے گھرانے میں کوئی نئی چیز نہ تھی۔ کیوں کہ حضرت عمرؓ کے بہنوی حضرت سعید بن زیدؓ جن کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ دونوں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ کئی دن سے آپؐ یہ دعائیں مانگ رہے تھے: یا اللہ! دین اسلام کی تقویت کے لیے عمر بن خطابؓ یا ابوجہل کو توفیق اور ہدایت دے۔ چنانچہ آپؐ کی یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ آپؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ مگر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جب آپؓ مسلمان ہونے کے لیے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چند قدم اپنی جگہ سے چل کر آپؓ سے معانقہ کیا اور ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ دعا کی: اے اللہ! ان کے سینے سے کینہ و عداوت کو نکال دے اور ایمان سے منّور کر دے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مبارک باد دینے کے لیے آئے اور کہا یا رسول اللہ! اس وقت آسمان والے ایک دوسرے کو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خوش خبری دے رہے ہیں۔ الغرض حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک نیا دَور شروع ہو گیا۔ فرزندانِ اسلام اب تک اپنے فرائض پوشیدہ طور پر ادا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر کعبہ میں نماز ادا کی اور کفّار میں سے کسی کو بھی اتنی جرأت و ہمت نہ ہوئی کہ کسی مسلمان کو روک سکیں۔ جلالِ فاروقی نے وہ کام کر دکھایا کہ کفار دم بخود ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتحِ اسلام تھا اور ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی اور ان کی خلافت اللہ کی رحمت تھی۔ حضرت عمرؓ نہایت نازک دَور میں مسلمان ہوئے تھے، جب کہ کفّار اور دوسرے مشرکین اسلام کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس دَور میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ جو لوگ ہجرت کرنا چاہیں مدینۂ منّورہ جا سکتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ، حضرت زید بن خطاب اور سعید بن زید کے ساتھ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع مقام قبا میں قیام کیا مگر روزانہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ مسند خلافت پر افروز ہونے کے بعد بہت ہی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ جن میں ایران، روم، قادسیہ، بابل، مدائن فتح کئے۔ طبریہ میں رومیوں کو شکست فاش دی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت خدا کی رحمت اور قدرت کا عجیب نمونہ تھی۔ اور جو وعدے اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے اور جو جو پیش گوئیاں قرآن مجید اور احادیث میں فتوحات کی مذکور ہیں، وہ آپؓ کے دَورِ خلافت میں مکمل ہوئیں۔ اگر آپؓ کے عہدِ خلافت کے کارنامے بیان کئے جائیں تو ایک پورا دفتر درکار ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو اللہ تعالےٰ نے قوی دماغ عطا کیا تھا۔ آپؓ بہترین مدبّر تھے۔ اور نہایت بلند کردار کے

مالک تھے۔موصوف ایسے تھے کہ دوست اور دشمن میں تمیز کرتے تھے۔حضرت عمرؓ نے ایک مکمل حکومت اور سلطنت کے لیے ایک مکمل نظام قائم فرمایا۔جس کی مثال مشکل ہے۔

آپؓ کے دور میں باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا ہوئی، آپؓ کے دور میں عدالت کو مکمل آزادی تھی۔اگر کوئی شخص چاہتا تو خلیفۂ وقت تک کو عدالت میں لا سکتا تھا اور آپؓ ہی کے مشورہ اور ترغیب سے قرآن کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا جو بہت ہی حکیمانہ طرز کا حامل تھا۔حضرت عمرؓ گزر بسر کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔مدینہ پہنچ کر آپؓ نے زراعت شروع کر دی

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و محبت فرماتے تھے۔حضرت عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریمؐ کے ساتھ تھے۔آپ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا۔یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! آپؐ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے عزیز ہیں۔یہ سن کر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تم مؤمن نہیں ہو۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اچھا اب آپؐ مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے۔تو آپؐ نے فرمایا: تو اب آپؓ کامل مؤمن ہو گئے۔حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہٗ کو اپنے دورِ خلافت میں تین ہزار پانچ سو درہم وظیفہ مقرر کیا اور خود اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہؓ کو صرف تین ہزار درہم مقرر کیا تو صاحب زادے نے عرض کیا: اباجان! آپؓ نے مجھے نظر انداز کر دیا۔حضرت اسامہؓ کو مجھ پر ترجیح دے دی۔واللہ! انہوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت حاصل نہیں کی۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے ارشاد فرمایا: میں نے اس لیے حضرت اسامہؓ کا وظیفہ تم سے زیادہ مقرر کیا ہے کہ اس کے باپ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبت تھی خود اسامہؓ بھی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بہت محبوب ہے بس میں رسول اللہ کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی ہے

محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے ۔۔۔ یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے اعلیٰ ہے

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سنتے ہی فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ جذبۂ عشق نبیؐ مغلوب ہو کر بے قابو ہو گئے اور تلوار کھینچ لی اور فرمایا: خبردار! اگر کسی نے کہا کہ رسولؐ اللہ کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے اعلان کرنے کے بعد ہی فاروقِ اعظمؓ چھوٹے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار رونے لگے اور روتے روتے کہہ رہے تھے: یا رسول اللہ! جب کھجور کا تنا آپ کی جدائی سے ہوک ہوک کر رو رہا ہے تو آپؐ کی اُمّت کو اس سے بڑھ کر رونا چاہیے۔اسی طرح فاروقِ اعظمؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک واقعہ کو یاد کرتے جاتے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے جاتے تھے۔

بہرحال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہر عمل اور عقیدہ اس بات کا مظہر ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ہی اصل ایمان ہے : ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

آپؓ کے قتل کا ذمہ دار حضرت مغیرہ بن شیبہؓ کا پارسی غلام ابولؤلؤ فیروز تھا۔ اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر ناراض ہو کر آپؓ پر خنجر سے وار کر دیا۔ جو آپؓ کے شہید ہونے کا سبب ہوا۔

آپؓ محرم کی پہلی تاریخ کو ۲۳ سنہ ہجری بروز ہفتہ آپؓ کے جسدِ خاکی کو دفن کیا گیا۔ اللہ تعالے سے دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آج کے ہر نوجوان مسلمان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت عطا فرمائے۔

بقیہ صفحہ ۱۴۵ کا "عظمتِ والدین پر ایک نظر"

فاعتبروا یا اولی الابصار دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

یہ بات ظاہر ہے کہ والدین کے حقوق کی ادائیگی میں ہی آخرت کی کامیابی ہے۔

والدین ربّ کائنات کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے جو ہر انسان کو زندگی میں صرف ایک بار ملتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ اس نعمتِ ربّانی کی پوری طرح قدر کرتے ہوئے ربّ کا شکر ادا کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ اپنے حبیبؐ کے صدقے وطفیل سے ہم تمام کے دلوں کو والدین کی محبت و عظمت سے منوّر کردے اور صحیح معنوں میں ان کا خدمت گزار بنا دے۔ آمین ثم آمین۔

وما علینا الا البلاغ۔

درسِ قرآن

بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے، سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہا زمانوں (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا بجز گرم پانی اور پیپ کے، یہ (ان کو) پورا بدلہ ملے گا۔ (سورہ نبا)

درسِ حدیث

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الاداء ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دیدے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا (مسند احمد)

اسلام میں علم کی اہمیت

حافظ جیلانی باشاہ لطیفی بلہاری متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

اسلام نے علم کو عظیم نعمت اور لازوال دولت قرار دیا اور اپنے متبعین کو ان تمام علوم وفنون کے حصول اور ان کے اندر اختصاص وکمال حاصل کرنے کی جانب ترغیب وتحریص دلائی جو انسانی زندگی اور معاشرہ کے لیے مفید ہیں اور بالخصوص دینِ حنیف کے مبادیات اور احکام ومسائل کی جانکاری کو فرض قرار دی تاکہ صحیح معنوں میں عمل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو ان لوگوں پر فضیلت وبرتری عطا کی جن کا دامن علم کی موتیوں اور جواہر سے خالی ہیں: للذین اوتوا العلم درجات۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: فسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون۔ اگر تم میں سے کوئی بے علم ہو تو اس کو چاہیے کہ اہل علم حضرات سے دین سیکھیں۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ العلم ودیعۃ اللہ فی الارض والعلماء امناء علم زمین میں خدا تعالیٰ کی ودیعت ہے اور علماء اس کے امین ہیں۔ خیر الدنیا والآخرۃ مع العلم وشر الدنیا والآخرۃ مع الجھل۔ دنیا میں خیر وبھلائی اور آخرت کا سدھار علم ہی میں پوشیدہ ہے اور دنیا وآخرت کی تباہی جہالت میں ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان علم کے بغیر نیک اور صالح نہیں بن سکتا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے سوال کیا کہ میری امت کے لیے کونسا جہاد افضل ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا علم کا طلب کرنا پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا جہاد حضرت جبرئیلؑ نے کہا علماء کی جانب نظر کرنا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اس کے بعد کون سا جہاد افضل ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا: علماء کی زیارت کرنا۔

اس فرمان نبویؐ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اہلِ علم سے استفادہ کرتے ہیں۔ العالم کالذھب والمتعلم کالفضۃ وما دونہ کالرصاص۔ عالم سونے کے مانند اور متعلم چاندی کے مانند اور ان کے علاوہ دیگر لوگ شیشہ کے مانند ہیں۔ اخیارکم ابراکم وافضلکم من تعلم القرآن۔ تم میں برگزیدہ لوگ وہی ہیں جو قرآن کریم کی

اسلام میں علم کی اہمیت

حافظ جیلانی باشاہ لطیفی بلھاری متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

اسلام نے علم کو عظیم نعمت اور لازوال دولت قرار دیا اور اپنے متبعین کو ان تمام علوم وفنون کے حصول اور ان کے اندر اختصاص وکمال حاصل کرنے کی جانب ترغیب وتحریص دلائی جو انسانی زندگی اور معاشرہ کے لیے مفید ہیں اور بالخصوص دین حنیف کے مبادیات اور احکام ومسائل کی جانکاری کو فرض قرار دی تاکہ صحیح معنوں میں عمل کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو ان لوگوں پر فضیلت وبرتری عطا کی جن کا دامن علم کی موتیوں اور جواہر سے خالی ہیں: للذین اوتو العلم درجات۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ اگر تم میں سے کوئی بے علم ہو تو اس کو چاہیے کہ اہل علم حضرات سے دین سیکھیں۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ العلم ودیعۃ اللہ فی الارض والعلماء امناہ علم زمین میں خدا تعالےٰ کی ودیعت ہے اور علماء اس کے امین ہیں۔ خیر الدنیا والآخرہ مع العلم وشر الدنیا والآخرۃ مع الجھل۔ دنیا میں خیر وبھلائی اور آخرت کا سدھار علم ہی میں پوشیدہ ہے اور دنیا وآخرت کی تباہی جہالت میں ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان علم کے بغیر نیک اور صالح نہیں بن سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے سوال کیا کہ میری امت کے لیے کونسا جہاد افضل ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا علم کا طلب کرنا پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا جہاد حضرت جبرئیلؑ نے کہا علماء کی جانب نظر کرنا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اس کے بعد کون سا جہاد افضل ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا: علماء کی زیارت کرنا۔

اس فرمان نبویؐ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اہل علم سے استفادہ کرتے ہیں۔ العالم کالذھب والمتعلم کالفضۃ وما دونہ کالرصاص۔ عالم سونے کے مانند اور متعلم چاندی کے مانند اور ان کے علاوہ دیگر لوگ شیشہ کے مانند ہیں۔ اخیارکم ابراکم وافضلکم من تعلم القرآن۔ تم میں برگزیدہ لوگ وہی ہیں جو قرآن کریم کی

تعلیم عام کرتے ہیں۔ اشرف الامت حملۃ القرآن میری امت کے صالح افراد وہ ہیں جو قرآن کے پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک عالم کی عزت کی گویا اس نے میری عزت کی۔ حکیم الاسلام ابوالنصر فارابی الملقب بہ معلم ثانی کہتے ہیں: جو کوئی علم وحکمت کی نعمت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ بزرگوں کا ادب کرے اور علماء کی تعظیم اور توقیر کرے اور علم کو دنیا کے لیے نہ سیکھے بلکہ اس سے دین و آخرت کی نعمتیں و سعادتیں حاصل کرنے کا نیک ارادہ رکھے۔

حاصل کلام! دنیا میں علم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اسی سے قومیں سربلند ہوتی ہیں۔ چناں چہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ جس قوم کے سر پر تاج علم رہا وہ دنیائے انسانیت کی قائد بنی رہی۔ اور جب بھی کسی قوم کے سر سے یہ تاج اتر گیا تو وہ زوال، پستی اور انحطاط کا شکار ہو گئی۔ اس لیے اسلام نے اپنے متبعین کو ہر قسم کے مفید علوم وفنون حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

منقبت

سیدنا غوث الاعظمؓ

سید سراج الدین منیر حیدرآبادی

مہر شریعت بدر طریقت نور ہدایت اللہ اکبر　سر بلاغت بحر فصاحت زور خطابت اللہ اکبر

رہبر کامل قطب زمانہ دانائے رازِ حسن یگانہ　کل اولیاء کے وہ مقتدا ہیں ان کی امامت اللہ اکبر

محبوب یزداں خورشید دوراں قطب زمانہ غوث یگانہ　مردہ دلوں کو زندہ کئے ہیں ان کی کرامت اللہ اکبر

نورِ خدا ہے نورِ محمد نورِ محمد نور علی ہے　ابن علی ہیں حق کے ولی ہیں ان کی نجابت اللہ اکبر

عابد و زاہد حامد و شاہد ذاکر و شاغل رہبر کامل　کس سے بیاں ہو اُن کی سیادت ان کی عبادت اللہ اکبر

شانِ خدا ہے شانِ محمدؐ شان محمدؐ غوث الوریٰ ہیں　ان سے محبت حق سے محبت ان سے عداوت اللہ اکبر

ٹھوکر میں اُن کی تاج شہانہ مٹھی میں ان کی نبض زمانہ　فرش زمیں سے عرش بریں تک ان کی ولایت اللہ اکبر

سُن لو منیرؔ اس ذاتِ قدم نے لکھ دی غلامی غوث الوریٰ کی　فضلِ خدا سے غوث الوریٰ کی مجھ پہ عنایت اللہ اکبر

پیش کش: سید علی احمد قادری کلیم

افضل العلماء الحافظ محمد فرید الدین امجد۔ کامل الفقہ الجامعۃ النظامیہ
ایم اے، ایم فل؛ گورنمنٹ نائب قاضی ضلع ویلور

قال اللہ تعالیٰ
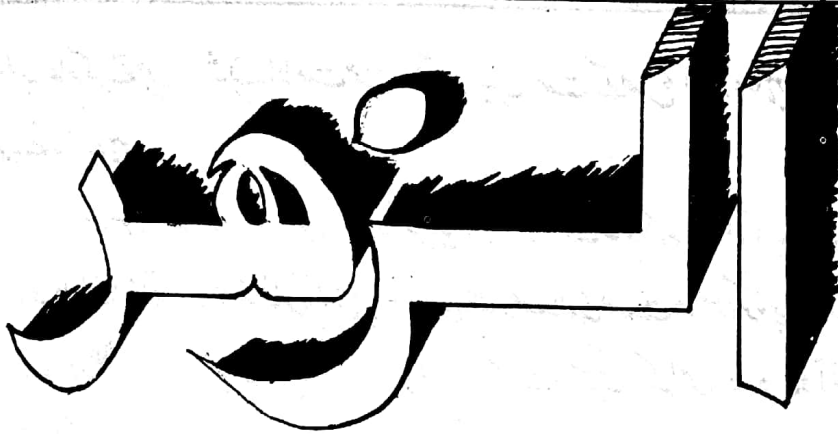
اعلموا أنما الحياة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر فى الاموال والاولاد كمثل غيث اعجب الكفار نباته ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يكون حطاما وفى الآخرة عذاب شديد ومغفرة من الله ورضوان وما الحيوة الدنيا إلا متاع الغرور ۔ (الحديد : ۲۰)

قال الله تعالى : الهكم التكاثر (۱)

وعن ابن عباس سهل بن سعد الساعدیؓ قال : جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال : يا رسول الله دلّنى على عمل إن عملته احبنى الله واحبنى الناس ، فقال : ازهد فى الدنيا يحبك الله وازهد فيما عند الناس يحبك الناس ؛ (ابن ماجه)

الزهد هو عنصر مهم فى شعر أبى العتاهية الذى يعوض عن الدنيا وما فيها بعد ان قضى عمره الابتدائية فى الترف والمتعة ۔ وشعر الزهد ظهر فى العصر العباسى وازدهر فيها ۔ واذا أمعنا النظر فى زهديات ابى العتاهية يجب علينا ان نفرق بين الزهد الاسلامى والزهد غير الاسلامى وبعض الاشعار لا يتفق مع الروح الاسلامى وهذه هى الاشعار التى انشدها فى ايام العبث والمجون ولديه الشعر على التوبة والاستغفار والتى تلائم بالروح الاسلامى واشعار هذه نجد فى اشعاره التى أنشاها فى السبعين من عمره او نحو ذلک ۔

(۱) سورة التكاثر۔

یقول شاعرنا ابوالعتاهیة یصور حالتی الشیب والشباب فی أروع تصویر فیقول : ؎

کبرنا أیها الاتراب حتی | کأنا لم نکن حینا شبابا
وکنا کالغصون إذا تثنت | من الریحان مونقة رطابا[1]

وقال بهذه الابیات : ؎

بکیت علی الشباب بدمع عینی | فلم یغن البکاء ولا النحیب
فیا أسفا أسفت علی شباب | نعاه الشیب والرأس الخضیب
عریت من الشباب وکان غضا | کما یعری من الورق القضیب
فیا لیت الشباب یعود یوما | فاخبره بما فعل المشیب[2]

وابوالعتاهیة لایری فی الشیب سوی الناعی الذی ینذر بدنو الأجل ویدفع الانسان الی حتفه فی صراع عجیب کما یقول : ؎

ومدافع للشیب ینضبه | والشیب نحو الموت یدفع[3]

کمانلاحظ العبر الواضحة شد الوضوع فی شعری الزهدی، فهو یرید ان یدل علی ان الرضا والتسلیم من اهم عناصر الزهد ولذلك یترای لمن یری فی شعره بکل وضوح هذة النزعة شائعة فیه شیوعا لایدع مجالا للشك.

فی قوله بالجبر وعلی ذلك فالانسان غیر مختار فی وجوده ولا فی أفعاله ولا فی اقواله فیقول : ؎

جفت الاقلام من قبل بما | حتم الله علینا وکتب[4]

ویقول فی التسلیم : ؎

این المفر من القضاء | مشرقا ومغربا[5]

---

[1] الدیوان : ص: ۳۹ [2] دیوان ابی العتاهیة : ص: ۲۳ [3] المصدر السابق : ص: ۲۳۶

[4] دیوان ابی العتاهیة : ص: ۲۱۰ [5] دیوان ابی العتاهیة : ص: ۳۲

ونشهد فی صورة الزهد التی هو یصورها من أثار غیر اسلامیة حین یری فی الزهد اعتزالا للحیاة والناس وابتعادا عنهم واقتصارا علی التقشف بما هو أشبه بالحرمان[1] والابیات التالیة تحدد لنا معالم صورة الزهد التی یریدها از یقول: ؎

رغیف خبز یابس — تأکله فی زاویة
وکوز ماء بارد — تشربه من صافیه
وغرفة ضیقة — نفسك فیها خالیة
أو مسجد بمعزل — عن الوری فی ناحیه
تدرس فیه دفترا — مستندا بساریة[2]

فهی صورة الانسان الذی یحرم نفسه من کل شیء من الدنیا وهی صورة الرهبانیة التی تبعد کل العبد عن روح الإسلام[3]:

ونلاحظ فی منهج ابی العتاهیة لطرق باب الزهد وسائل مختلفة وأسالیب شتّی فهو یدعو تارة إلی ترك الدنیا وتحقیرها وتارة یدعو إلی التزود بالتقوی! وصالح الأعمال وتذکر الموت کما یذکر ملاحقته للخلق ویلح فی ذلك إلی الحد الذی یصد الناس فیه عن التمتع بأیة متعة ولو کانت حلالاً ویقف علی القبور ویناجیها حیناً ویسائل ساکینها حیناً اخر ویقرن بین الدنیا والاخرة وبین الحیاة والموت ثم بین النشور والحساب ثم بین الثواب والعقاب، وفی مواقف أخری یظهر الندم والضراعة ویطمع الغفران۔

وهکذا نجد أبا العتاهیة یصور الدنیا ویزهد الناس فیها بصور شتّی بل إنه یدعو الناس بکل صراحة إلی ترك الدنیا والتصبر عنها۔ وهذا یظهر جلیا فی الأبیات التالیة: ؎

تصبر عن الدنیا ودع کل تائه — مطیع هوی یهوی به المهامه

---

[1] انظر نفس الکلام فی أبو العتاهیة وشعره الدکتور محمد محمود الدش: ص: ۶۴

[2] دیوان ابی العتاهیة: ص: ۳۰۷ [3] ابو العتاهیة حیاته واغراضه الشعریة: ص: ۱۶۲

دع الناس والدنیا فبین مکالب	علیها بأنیاب وبین مشافه
ومن لم یحاسب نفسه فی أموره	یقع فی عظیم مشکل متشابه[1]

کما أنه یبین فی الأبیات التی نذکرها أن الحیاة الدنیا لیس فیها من شیٔ إذ یذکر فیها القبور و ساکنیها عظةً وعبرةً۔

فیقول : ؎

سلام علی أهل القبور الدوارس	کأنهم لم یجلسوا فی المجالس
ولم یبغلوا من بارد الماء لذة	ولم یطعموا ما بین رطب ویابس
ولم یك منهم فی الحیاة منافس	طویل المنی فیها کثیر الوساوس[2]

فان ابا العتاهیة یکاد یجعل الناس یعیشون للاخرة وحدها و ینسون الدنیا إذ "یرهب الموت و یغرق فی ذکره ویصوره فی صور شتّی فیها کثیر من البشاعة والإفزاع والتخویف ویظل یعید ویکرر هذه الصور فی دیوانه بحیث تکاد تطغی علی کل ما فیه من المعانی والصور الأخری"[3] فیقتل بهذا فیهم روح العمل والجد و الکدح والإبتکار والسعی فی طلب الرزق والإستمتاع بالحلال من طیباتها ۔ وهذا بالبیت الذی یسأل فیه بأنه یتنافی مع الإسلام لبًّا وجوهراً۔

فنختم حدیثنا هذا بالبیت الذی یسأل فیه الشاعر القبور عن حال ساکنیها فتجیبه القبور عن حال أجاد أهلها التی أصابتها مراحل البلی ولکن فی أسلوب یدعوا المرء إلی التأمل طویلا والوقوف حزینا ۔

فإقرأ البیت التالی : ؎

انی سألت القبر ما فعلت	بعدی وجوه فیك مغفرة[4] !

---

[1] دیوان ابی العتاهیة : ص : ٢٨٧ [2] دیوان ابی العتاهیة : ص : ١٢٩، ١٣٠

[3] ابوالعتاهیة حیاته واغراضه الشعریة : ص : ٨٩

[4] دیوان ابی العتاهیة : ص : ١٧٠ واذا أردت أن ستزید فارجع إلی نفس المرجع المذکور آنفاً ۔

مدحة الرسول الکریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ افسر۔ شفاء ڈسپنسری ۔ ویلور

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ھٰذَا قَوْلُ نَبِیِّنَا ھَاشِمِیُّ الْمُطَّلِبْ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

طِیْنُ اَرْضِ نَبِیِّنَا کُحْلُ بَصَرِ الْعَارِفِیْن رِیْحُ صَبَاءِ بَلْدِہٖ رَاحَۃٌ لِلْکَامِلِیْن

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

سَیِّدٌ لِلْمُرْسَلِیْن شَافِعٌ لِلْمُذْنِبِیْن رَحْمَۃٌ لِلْعَالَمِیْن رَحْمَۃٌ لِلْعَالَمِیْن

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

بَوْلُ دَمٌ طَیِّبٌ شَعْرُ ظُفْرٌ طَاھِرٌ جِلْدُ اَیْضًا طَاھِرٌ کُلُّ الْجِسْمِ طَاھِرٌ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

طِیْبُ الْوَرْدِ عَرَقُہٗ ذَھَبٌ فِضَّہ شَعْرُہٗ مِسْکٌ وَرْدٌ رِیْقُہٗ شَمْسٌ قَمَرٌ وَجْھُہٗ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

فَتْحُ الْمَکَّۃِ کَرَمُہٗ لَاتَثْرِیْبَ اِذْھَبُوْا اَنْتُمْ طُلَقَاءُ قَوْلُہٗ قَوْلٌ فِعْلٌ حَالُہٗ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا نَحْنُ مُطِیعُھُمَا

رَحْمٌ کَامِلٌ عَفْوُہٗ کَرَمٌ عَالٍ ظَرْفُہٗ لَایُمْکِنُ وَصْفُہٗ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

دَعَا النَّبِیُّ کُلَّمَا جَاءَتْ اَشْجَارٌ سَاجِدَۃً
وَجَرَ الْمَاءُ بِیَدِہٖ شَقُّ الْقَمَرِ مُعْجِزَۃٌ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

کَمَا اَبْرَأَتْ وَصِبًا وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا
نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِالطُّوْبٰی عَلِمْنَاہُ یَا مَوْلٰی

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

قَدْ کَلَّمَ الْجِبَالُ وَالنَّبَاتُ وَالْحَیَوَانُ
کُلٌّ فِیْ خِدْمَتِہٖ رَاغِبٌ وَالْحَیْرَانُ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

نَامَتْ عَیْنَاہُ لٰکِنْ لَا یَنَامُ قَلْبُہٗ
اٰخِرُ نَبِیٍّ ثَابِتٌ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

قَدْ اَنْشَدَ الْاَکْبَرُ فِیْ شَانِ نَبِیِّہٖ
عَفَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْ سَائِرِ ذَنْبِہٖ

اَللّٰہُ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا نَحْنُ مُطِیْعُھُمَا

نظمِ تہنیت

برموقعہ جلسۂ دستار بندی دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان۔ ویلور

منعقدہ بتاریخ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق 26 ستمبر 2005ء بروز اتوار

بقلم: ڈاکٹر راہی فدائی

مخزنِ عرفانِ دیں، حضرت مکان — معدنِ علم و یقیں، حضرت مکان

شاہِ شاہاں حضرتِ عبداللطیف — آپ کا قصرِ حسیں حضرت مکان

قربی و ذوقی و محوی، محوِ خواب — خواب گاہِ کاملیں، حضرت مکان

قطبِ ویلوری کا مولد بھی یہی — جلوہ گاہِ عارفیں، حضرت مکان

مجمع اقطابِ عالم ہے یہاں — کیا مقدس سرزمیں، حضرت مکان

خوب ہے انگشتریِ معرفت — اس کا ہے لعلِ نگیں، حضرت مکان

موجۂ بادِ تصوف عطر بیز — یہ ہے شاخِ صندلیں، حضرت مکان

ظاہر و باطن کی اس میں ہے شفا — علم و فن کی انگبیں، حضرت مکان

طالبانِ شوق کی ہے خانقاہ — درس گاہِ مسلمیں، حضرت مکان

ملتا ہے ایمان کو حفظ و اماں! — قلعۂ شرعِ متیں، حضرت مکان

تو یقیناً بے مثال و بے نظیر — تیرا ثانی ہی نہیں، حضرت مکان

تو گلستانِ تصوّف، باغِ علم — سب ہیں تیرے خوشہ چیں حضرت مکان

آستاں یہ ربِّ تعالےٰ زندہ باد — یہ رہے روشن جبیں، حضرت مکان

ضو فشاں یوں ہی رہے گا تا ابد
علم و عرفاں کا امیں، حضرت مکان

للکار

یس۔ محمد یوسف شماس۔ اسٹیشن سوپرنٹنڈنٹ۔ قاضی پورہ۔ ادھونی۔

مقدس گھر کوئی کعبہ سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا
سوائے مصطفےٰ محبوبِ داور ہو نہیں سکتا

نظارے خلد اور فردوس کے پیارے تو ہیں لیکن
مگر طیبہ سا کوئی پیارا منظر ہو نہیں سکتا

زمین و آسمانوں سے فزوں تر نیکیاں جن کی
صداقت میں کوئی صدیق اکبرؓ ہو نہیں سکتا

امارت میں فقیری رعب سے شیطان بھی کانپے
عدالت میں عمرؓ سا کوئی برتر ہو نہیں سکتا

خلوص و مہر میں یکتا غنی ہیں جامع قرآں
اک ذوالنورینؓ ساعفت کا پیکر ہو نہیں سکتا

وہ "باب العلم" سب اوصاف حسن میں نرالے ہیں
کسی کا ضرب مثلِ ضربِ حیدرؓ ہو نہیں سکتا

نہیں پایا کسی اونچے محل نے یہ نصیبہ ہے
ابو ایوبؓ سا تقدیس کا گھر ہو نہیں سکتا

توکّل جن کا شیوہ ہیں شبیہہ حضرت عیسیٰؑ
قناعت میں ابو ذرؓ کا برابر ہو نہیں سکتا

اُخوت کی حسیں معراج ہے انصار کی سیرت
خلوص و مہر میں ایک ان کا ہمسر ہو نہیں سکتا

بہت سنتے رہے ہیں داستانیں سرفروشوں کی
شہادت میں کوئی شبیرؓ و شبرؓ ہو نہیں سکتا

گھنے جنگل میں آیا عقبہ بن نافعؓ کا جب لشکر
درندوں کا بسیرا قیرواں پر ہو نہیں سکتا

تھی طارق نے جلائی کشتیاں اندلس کے ساحل پہ
تدبّر کا نمونہ اس کے برابر ہو نہیں سکتا

ہیں برحق چار مسلک دینِ فطرت کے زمانے میں
فقہ میں بو حنیفہؒ کا برابر ہو نہیں سکتا

ہے پائی غوثِ اعظمؒ نے ولایت کی جہانبانی
ولی کوئی کبھی اُن سے فزوں تر ہو نہیں سکتا

نظام الدینؒ کا در یعنی فیاضی کا سرچشمہ
شہنشاہوں کا لنگر اس برابر ہو نہیں سکتا

سخنور ان گنت آتے رہے شمّاس دنیا میں
کوئی حسّانؓ سا برجستہ شاعر ہو نہیں سکتا

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ افسر: شفا ڈسپنسری۔ ویلور

خلوص و محبت بہم دیکھتے ہیں
مدینے میں بے شک یہ ہم دیکھتے ہیں

صحابہ کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
حضورِ شفیع الامم دیکھتے ہیں

ہر اک ذرہ امن و اماں کا ہے مظہر
وہاں پر لڑائی یہ کم دیکھتے ہیں

ہوئی جب کہ رخصت ہماری وہاں سے
دل و جان آنکھیں بھی نم دیکھتے ہیں

بہت ہو چکی ہے وہ ان کی عنایت
یہ ہم پر خدا کا کرم دیکھتے ہیں

حکومت امیری کی کیا پوچھتے ہو
فقیری میں ہم جامِ جم دیکھتے ہیں!

مزہ جو ملا ہے وہ جنت سے بڑھ کر
مدینے میں باغِ ارم دیکھتے ہیں

بشوقِ زیارت چلا ہے یہ افسر
اسے ہم وہاں دمبدم دیکھتے ہیں!

عشقِ احمدؐ کا جس کا یہ سینے میں ہے
میں یہاں ہوں مگر دل مدینے میں ہے

مشک و عنبر میں ایسی مہک ہے کہاں
جو مہک مصطفےٰؐ کے پسینے میں ہے

رخِ انور پہ ہے رشکِ شمس و قمر
ایسی صورت یقیناً مدینے میں ہے

سارے عالم میں اس کی نہیں ہے مثال
جو گہر آپؐ کے اس نگینے میں ہے

ہاں مدینہ ہی نظروں میں پھرتا ہے اب
یہ تصور ہی دل کے سفینے میں ہے

کیوں پکارے ہے آقا کو افسر حکیم
جب کہ آقا تو اس کے قرینے میں ہے

نعتِ شریف

پیش کش

محمد شفاعت احمد سلیم

چشمِ رحمت بکشا سوئے آفت زدگاں رحمے کن

آقا اپنی رحمتوں والی آنکھ ہم آفت کے ماروں کی طرف رحم کی نظر کردو

ز آبِ رحمت بدل سوختگاں رحمے کن

رحمت کی بارش جلتے ہوئے دلوں پر رحم کرتے ہوئے برسادو

جانم از تشنہ لب سوختہ چہ تدبیر کینم

میری جانم پیاس سے بے تاب ہو رہی ہے۔ ہم کیا تدبیر کریں

یا محمد بحقِ تشنہ لباں رحمے کن

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے نواسوں کی پیاس کے صدقے میں رحم کردو

سیّدا بر درِ تو آمدم دست بگیرا

اے سادات اعظم آپ کے دروازے آیا ہوں میری مدد کیجئے

دستگیری کن وائے جانِ جہاں رحمے کن

آقا میری مدد فرمائیے، اور اے سارے عالم کی جان رحم فرمائیے

کارِ ما جرم و خطاء کارِ تو عفو است و عطاء

ہمارا کام جرم اور غلطی کرنا ہے اور آپ کا کام معاف اور درگزر کرنا

بہ تفضل بہ غریبانِ جہاں رحمے کن

اپنے فضل و کرم سے ساری دنیا کے غریبوں پر رحم فرمائیے

رحمت اللہ کہ طلبگار عنایات تو ہست

رحمت اللہ آپ کی عنایتوں اور آپ کے فضل و کرم کا محتاج ہے

وقت مہر است بما خستہ دلاں رحمے کن

ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں پر اپنے رحم و کرم کی مہر لگا دیجئے

دلوں کو محشرِ عبرت مآل دے ساقی! ہوس کے ہاتھ میں جام ملال دے ساقی

ازل سے حُسنِ ابد تک، زمیں سے تا بفلک حبیبِ رب سا کوئی بے مثال دے ساقی

خرد ہے کیفِ مئے ہوش سیفِ جوش نہیں جنون کو پرچمِ جنگ و جدال دے ساقی

اِدھر ہے دل تنِ تنہا، اُدھر سکندرِ غم کر استخارہ، کوئی نیک فال دے ساقی

نہیں ہے پیاس کو میری فقط سُبو کافی جو ہو سکے تو خُمِ ماہ و سال دے ساقی

زمانہ خاکِ قلندر کو زر نہیں کہتا طِلا صفت مرے فن کو اُجال دے ساقی

مجال کیا؟ کہ بشر کرلے کوئی شئے تخلیق؟ اگر تُو رُخِ ورنگ و جمال دے ساقی

ترے کرم سے بنے کرم بھی ہمارے ہُنر مرے سخن کو بھی اَوجِ کمال دے ساقی

یہ قطرہ قطرہ ندامت، جو ہے ندیم دُعا اِسے درود کے سانچے میں ڈھال دے ساقی

ضرور پھرتی ہے قسمت، پہ ہو ولی کی نگاہ یہ نکتہ خشک دماغوں میں ڈال دے ساقی

دیا ہے جس نے مجھے اضطرابِ شرّ و آنا مرے دروں سے وہ کانٹا نکال دے ساقی

اجاڑتی ہے جو انساں کی زندگی کا چمن خدارا ایسی بلا کو تو ٹال دے ساقی

ہماری مردہ دلی کو، کرشمتہً ہی سہی فلک سے بانگِ اَذانِ بلالؓ دے ساقی

غزل کا دے کے نگینہ، لیا سفینۂ نعت سفر طویل ہے، بحرِ خیال دے ساقی

بنے جو قبر میں میرے لیے سبیلِ نجات
وہ جامِ نور، پئے ہر سوال دے ساقی!

نعت شریف

"بِکے تھے نام پر جس کے اسی سرکار میں آئے"

محمدؐ سِرِ وحدت حسن کے گلزار میں آئے
مکینِ لامکاں شانِ جمالِ یار میں آئے

زمین و آسمان و عرش و کرسی کچھ نہ تھے پہلے
حبیبؐ کبریا جب عالمِ انوار میں آئے

نبیؐ کے نور سے حق نے سجایا گلشنِ ہستی
وہی مظہر خدا کے بن کے لالہ زار میں آئے

یہ کیسی خوش نصیبی ہے یہ کیسی خوش نصیبی ہے
بِکے تھے نام پر جس کے اسی سرکار میں آئے

ہمیں آقا کے صدقے میں ملا ہے جامۂ ہستی
خدا کے فضل سے ہم دامنِ دلدار میں آئے

سخی بے مثل ہیں جو کچھ بھی ہے سب بانٹ دیتے ہیں
خزانے جو بھی دستِ احمدِ مختار میں آئے

کوئی کیا کر سکے اندازہ اُنؐ کے فیض کا اے انور
صحابہ بن کے چمکے اُنؐ کے جو دربار میں آئے
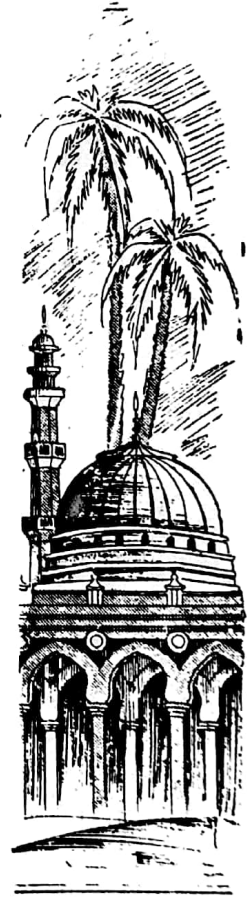
خواجہ محمد بیابانی انور
اننت پور

حضرت مکاں

یس محمد یوسف شماس ۔ اسٹیشن سوپرنٹنڈنٹ ۔ قاضی پورہ ادھونی

علم و عرفاں کا مکاں حضرت مکاں — دین کا زندہ نشاں حضرت مکاں

ارضِ دکن کو ہے جس سے روشنی — جس کا ہے رفعت نشاں حضرت مکاں

غنچے عرفاں کے یہاں سے کھِل گئے — مہکا جس سے یہ جہاں حضرت مکاں

طائرانِ قدس منڈلاتے رہے — نورِ حق کا آشیاں حضرت مکاں

معدنِ عرفاں سے حاصل ہوئے — علم کے گوہر فشاں حضرت مکاں

دیکھئے پیکر ہے ڈھالے نور کے — قدسیوں کا ہے گماں حضرت مکاں

کیاریاں ہر فن کی ایسی جا سج گئیں — لہلہاتے گلستاں حضرت مکاں

منتشر ہو جائے نہ بھٹکے کہیں — تھامے ملت کی عناں حضرت مکاں

غازیانِ حق رواں ہیں صف بہ صف — جن کا میرِ کارواں حضرت مکاں

گرم صحرا میں ابھی شماس یہ

ہے خنک تر سائباں حضرت مکاں

پیش کش : قادر شریف ۔ زمرۂ اولیٰ

سلام

بحضورِ

خیرُالانام

صلّی اللہ علیہ وسلّم

جناب پروفیسر ڈاکٹر
مسعود سراج
میسور یونیورسٹی۔ میسور

منظہرِ نورِ وحدت پہ لاکھوں سلام
تاجدارِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جن کے صدقے میں اُمّت کو بخشے خُدا
اُن کی عزّت و حشمت پہ لاکھوں سلام

اک اشارے پہ جن کے قمر شق ہُوا
ان کی طاقت و قدرت پہ لاکھوں سلام

جن کی سیرت ہے تفسیر قرآن کی
ان کی پاکیزہ سیرت پہ لاکھوں سلام

جن کی عظمت سے واقف نہیں ہے کوئی
ان کی رفعت و عظمت پہ لاکھوں سلام

عاصیوں پہ بھی جن کی چشمِ کرم
ان کی چشمِ عنایت پہ لاکھوں سلام

منکشف جن پہ اسرارِ عالم ہوئے
ان کے عرفان و حکمت پہ لاکھوں سلام

جن کو مختارِ عالم بنایا خُدا
ان کی شانِ وجاہت پہ لاکھوں سلام

جن کا رتبہ کیا حق نے اونچا سراج
ان کی رفعت و شوکت پہ لاکھوں سلام

پیشکش: محمّد علی ایم اے

نذرانہ عقیدت

حضرت باقر کی یادیں، ہم شریکِ فاتحہ
لمحہ لمحہ دیدۂ پُرنم شریکِ فاتحہ
آج کا منظر یقیناً روز و شب ہیں بے مثال
چاندنی کے ساتھ ہے شبنم شریکِ فاتحہ

ایک روشن سلسلہ ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد
خوشبوئے شمعِ ہدیٰ ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد
ذرّہ ذرّہ ہے معطر لمحہ لمحہ نور بخش
واسطہ در واسطہ ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد
روشنی ہی روشنی ہے ہر طرف ویلور میں
تیرگی میں اک دیا ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد
صد عقیدت چومنے لگتی ہے دل کی کائنات
نور آور اک قبا ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد
عطر آگیں ہوگیا ہے سر بہ سر حضرت مکاں
رحمتِ بادِ صبا ہے حضرتِ باقرؒ کی یاد

بیاد
شیخ المشائخ
اعلیٰحضرت
مولانا مولوی
ابوالنصر قطب الدین
سیّد شاہ محمد باقر
قادری علیہ الرحمہ
بہ موقعہ
سالانہ فاتحہ

اثر خامہ: علیم صبا نویدی

اِنَّ اللہ لطیفٌ خبیرٌ
علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی
اللطیف
دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور
2005
Printed at Tamilnadu Urdu Publication, Chennai - 600 002.